

www.KitaboSunnat.com

قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (قوانین، اصول)

پہلا حصہ، پہلا اصدار (ایڈیشن)

تالیف: عادل سہیل ظفر

adilsuhail@gmail.com

www.adilsuhail.blogspot.com

فہرست مضامین



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِیْقِ الْإِسْلَامِیِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

صفحہ	موضوع	رقم
4	موضوعات کا تعارف	1
6	مقدمہ	
9	قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،،، پہلا قاعدہ 1، سُورت البقرہ (2)/آیت 60،	2
19	قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،،، دوسرا قاعدہ 2، سُورت البقرہ (2) /آیت 83،	3
29	قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،،، تیسرا قاعدہ 3، سُورت البقرہ (2)/آیت 120،	4
44	قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،،، چوتھا قاعدہ 4، سُورت البقرہ (2)/آیت 179،	5
52	قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،،، پانچواں قاعدہ 5، سُورت البقرہ (2)/آیت 186،	6
64	قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،،، چھٹا قاعدہ 6، سُورت البقرہ (2)/آیت 189،	7
75	قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،،، ساتواں قاعدہ 7، سُورت البقرہ (2)/آیت 197،	8

84	قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،،، آٹھواں قاعدہ 8، سُورت البقرہ (2)/آیت 216،	9
94	قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،،، نواں قاعدہ 9، سُورت البقرہ (2)/آیت 237،	10
101	قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،،، دسواں قاعدہ 10، سُورت آل عمران (3)/آیت 36،	11

..... موضوعات کا تعارف:

پہلا قاعدہ :: جس مخلوق کو جس کام کے لیے تخلیق کیا گیا اُسے وہی کام کرنا چاہیے۔
 :: دوسرا قاعدہ :: لوگوں سے عُمدہ، اچھے، دل پذیر، نرم انداز میں بات کرنا چاہیے۔
 :: تیسرا قاعدہ :: مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں کی رضامندی پانے کے لیے کچھ بھی کرتے رہیں وہ لوگ مسلمانوں سے اُس وقت تک راضی نہیں ہوتے جب تک کہ مسلمان اپنا اسلام چھوڑ کر مرتد ہو کر یہودی یا عیسائی نہ بن جائے۔ (نعوذ باللہ من ذلک و من کل ضلالتہ)۔

:: چوتھا قاعدہ :: جان کے بدلے جان، یعنی قصاص کے نظام میں لوگوں کی زندگی ہے، اس قاعدے میں مذکور پانچ اسباق (سبقوں) کا بیان ہے، اور اس سے متعلق ایک غلط فہمی کے حقیقت کا بیان ہے۔

:: پانچواں قاعدہ :: دُعاء صرف اور صرف براہ راست اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہی کیے جانا، جائز ہے، اُس کے علاوہ کسی اور سے دُعاء کرنا، اپنے اللہ سے دُعاء کرنے کے لیے اپنے اور اپنے اللہ کے درمیان، کسی واسطے یا وسیلے کو شامل کرنا جائز نہیں۔

:: چھٹا قاعدہ :: کسی بھی دینی اور دُنیاوی کام کو اُس کے لیے مقرر کردہ جائز اور حلال طریقے سے کیا جانا چاہیے۔

:: ساتواں قاعدہ :: ایمان والے بندوں اُن کے نیک کاموں کے اجر و ثواب کے بارے میں ڈرنا نہیں چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کاموں کا علم رکھتا ہے لہذا وہ اپنے فرامین کے مطابق اُن نیک کاموں کا پُور پُورا اجر و ثواب عطاء فرمائے گا، اور اس مضمون میں رفت، فسوق اور جدال کا بیان بھی ہے۔

... آٹھواں قاعدہ :::: اس عظیم اور مبارک قاعدے کا ایمان کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد کے ساتھ گہرا ربط ہے، اور وہ بنیاد ہے "" قضاء اور قدر پر ایمان رکھنا ""، اور یہ ایمان رکھنا کہ ہم ہماری پسند یا ناپسند میں ہمارے لیے خیر یا شر ہونے کا علم نہیں رکھتے یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے اور جو کچھ ہمارے لیے خیر ہوتا ہے وہ ہمیں عطاء فرماتا ہے، اور اُس کے ہر حکم میں ہمارے لیے خیر ہے۔

... نواں قاعدہ :::: اللہ پاک کے بیان فرمودہ سب ہی اصول دین اسلام کی عظمت کے ثبوتوں میں سے ہیں، اور انہی میں سے ایک یہ قاعدہ بھی ہے کہ ہمیں اپنی زندگی کے ہر شعبے میں ایک دوسرے کے ساتھ نیکی، بھلائی اور فیاضی والا معاملہ کرنا چاہیے۔

... دسواں قاعدہ :::: مرد اور عورت برابر نہیں ہیں، اُن کی تخلیق اور فطرت میں فرق ہیں، اور دنیاوی، معاشرتی زندگی میں اُن کے رتبے مختلف ہیں، اس مضمون میں مرد اور عورت کی برابری اور مساوات کے متعلق کچھ عام مشہور فلسفوں کی حقیقت بھی بیان کی گئی ہے۔

پیش لفظ (مقدمہ)

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَمِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْسِهِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنِّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ؛ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَ
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ
رَسُولُهُ۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَ لَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ
مُسْلِمُونَ﴾

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَ خَلَقَ مِنْهَا
زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَ نِسَاءً وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ
وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَ
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَ مَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾

أَمَّا بَعْدُ ؛ فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ ، وَخَيْرَ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ، وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا ، وَكُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَكُلُّ
بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ، وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔

ان الفاظ کو خطبہ الحاجہ کہا جاتا ہے اور یہ وہ الفاظ ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

و علی آلہ وسلم اپنے خطبات، دُروس، اور وعظ کا آغاز فرمایا کرتے تھے، رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے اُسوہ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے میں بھی اپنی بات کا آغاز اسی خطبہ سے کر رہا ہوں،

اللہ جلّ جلالہ کی اُس کی مخلوق پر رحمت اور شفقت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس نے اپنی مخلوق کے لیے عموماً اور اپنے ایمان والے بندوں کے لیے خصوصاً، اپنی کتاب کریم قرآن حکیم میں دینی اور دُنیاوی امور کو بہترین اور فائدہ مند طور پر مکمل کرنے کے لیے، حلال و حرام کی جانچ کے لیے، دُرست و نادرست کی پہچان کے لیے قواعد یعنی قوانین نازل فرما دیے،

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو قیامت تک ہونے والے ہر ایک کام اور اُس کی ظاہری اور باطنی متعلقات بلکہ اُن کی تمام تر جزئیات کو بھی نام بنام ذکر فرما کر ہر ایک کا حکم الگ الگ نازل فرما دیتا، لیکن اُن نے اپنی بے عیب حکمت اور مخلوق پر بے شمار شفقت کی بناء پر ایسا نہیں کیا، کیونکہ اگر وہ ایسا کر دیتا تو پھر شاید ایسا ہوتا کہ کسی ایک چیز کے بارے میں حکم تلاش کرنے میں شاید انسان کی پوری زندگی لگ جاتی اور وہ اُس حکم تک نہ پہنچ پاتا،

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اپنے آخری نبی اور رسول اور خلیل محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی اُمت پر خصوصی رحمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اِس اُمت کو ہمیشہ ایسے علماء عطاء فرماتا چلا آ رہا ہے جو اُمت کو اللہ کے دین سمجھنے میں آسانیاں مہیا کرتے ہیں، واللہ الحمد،

ایسے ہی ایک عالم، محترم شیخ، ڈاکٹر عُمر المقبل حفظہ اللہ نے قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (قوانین) کو دُروس کی شکل میں بیان فرمائے،

یہ کتاب انہی دُروس سے ماخوذ مضامین پر مشتمل ہے،

خیال رہے کہ قارئین کرام، کہ یہ مضامین محترم شیخ، ڈاکٹر عُمر المقبل حفظہ اللہ کے دُروس سے ماخوذ ہیں، نہ کہ اُن کے دُروس کے تراجم، بلکہ ان مضامین میں کم و بیش ساٹھ ستر فیصد

مواد میری طرف سے اضافہ ہے، اس لیے ان مضامین کو حرف بحرف محترم شیخ صاحب حفظہ اللہ سے منسوب نہ سمجھا جائے۔

اور مضامین کا تسلسل بھی میں نے محترم شیخ صاحب کے دُروس کے تسلسل کے مطابق نہیں رکھا، بلکہ مصحف شریف میں آیات کے تسلسل کے مطابق رکھا ہے، تمام قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ فرماتے ہوئے اگر کسی قسم کا کوئی سوال، یا اشکال ذہن میں آئے تو بلا تکلف و تردد سامنے لائیے، ان شاء اللہ اس طرح بہت خیر ملنے کی اُمید ہوتی ہے،

اس کتاب میں شامل تمام مضمون الگ الگ بھی درج ذیل ربط پر میسر ہیں اور ان شاء اللہ بعد میں تیار ہونے والے بھی یہیں شامل کیے جاتے رہیں گے۔

,,,,,,,,,,,,,,,,,,,,,

اللہ تبارک و تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور میرے لیے اور تمام قارئین کے لیے دین دُنيا اور آخرت کی خیر کے اسباب میں سے بنائے، والسلام علیکم، طلبگارء دُعاء، عادل سہیل ظفر،
بتاریخ، یکم، جمادی الثانی 1426 ہجری /// متبادل 7/7/2005 عیسوی۔

قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)، پہلا قاعدہ 1

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمَزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ
وَالصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ

وَأَزْوَاجِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ، أما بعد :::

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ :: تَوْسِب

لوگوں نے اُن کے پانی پینے کی جگہ جان لی﴾ سورت البقرہ (2)/آیت 60،

سورت الاعراف (7)/آیت 160،

اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ مذکورہ بالا فرمان شریف ہمارے آج کے درس کا موضوع ہے، جسے ہم ان شاء اللہ اللہ کی طرف سے بیان فرمودہ قواعد و قوانین کے ضمن میں اپنے دروس کے سلسلے "قرآن میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)" میں پہلے درس کے طور پر پڑھیں گے،

اللہ جلّ و علا نے اپنے اس مذکورہ بالا فرمان شریف میں اپنی تخلیق کی حکمتوں میں سے ایک حکمت کے آثار میں سے ایک اثر، ایک نشانی بھی بیان فرمائی ہے، جس کے بارے اللہ کے بیان کردہ اس قاعدے، قانون میں تدبیر کرنے سے پتہ چلتا ہے، کہ اللہ جلّ و علا نے اپنی ہر مخلوق کو کسی نہ کسی کام کے لیے تخلیق فرمایا ہے، ہر مخلوق کے لیے کوئی نہ کوئی کام کرنا آسان کر دیا گیا ہے، اور وہ مخلوق وہی کام زیادہ آسانی اور کامیابی سے کرتی ہے،

اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ یہ قاعدہ ، قانون سُورت البقرہ اور سورت الاعراف کی آیات کا ایک جُزء ہے ، جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم کے لیے پانی مانگنے کی دُعاء کے واقعے میں اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے ﴿وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعَثُوا فِي الْأَرْضِ مُمْسِدِينَ::: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے پینے کے لیے پانی کی دُعاء کی تو ہم نے فرمایا ، اپنے عصاء (ڈنڈے) سے پتھر پر مارو (موسیٰ نے ایسا کیا) تو پتھر میں سے بارہ چشمے بھوٹ پڑے ، تو سب لوگوں نے اُن کے پانی پینے کی جگہ جان لی ، (اور لوگوں سے کہا گیا کہ) اللہ کے عطاء کردہ رزق میں سے کھاؤ اور پیو ، اور زمین میں فساد پھیلانے والے بن کر مت گھومو ﴿

اِس آیت کریمہ میں ہمیں یہ خاص معنی و مفہوم ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر احسان اور آسانی فرماتے ہوئے ، اُن کے قبیلوں ، گروہوں کے مطابق اُس پتھر میں سے بارہ چشمے جاری فرمادیے ، تاکہ ہر ایک قبیلہ ، ہر ایک گروہ کسی مشکل اور بد تنظیمی کا شکار ہوئے بغیر ، اور کسی مشکل اور پریشانی ، مشقت اور سختی کے بغیر ، ایک دوسرے کو تنگ کیے بغیر ، ایک دوسرے کا حق مارے بغیر ، اپنی اپنی جگہ سے پانی لیتا رہے ، کہ اس پانی کو ان لوگوں کے سامنے اِس طرح جاری کرنے میں یہ حکمتیں پوشیدہ ہیں ، اور لوگوں کے اتنے بڑے گروہ میں سے جس کسی کو جس چشمے سے پانی پینے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے ، اُس نے وہ چشمہ جان لیا ہے ، لہذا وہ اُسی چشمے سے پانی پے ،

یہ معنی، یہ مفہوم جو اس قاعدے، قانون میں سے سمجھ آتا ہے، دیگر الفاظ میں بھی قرآن کریم میں ذکر فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے سورت الاسراء (بنی اسرائیل (17)/ آیت 84) میں ارشاد فرمایا ﴿قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ﴾: فرمائیے (اے محمد) ہر کوئی اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے ﴿﴾،

اور اس قاعدے، قانون میں بیان کردہ یہ معنی اور مفہوم اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی زبان مبارک سے ان الفاظ میں بھی ادا کروایا کہ ﴿اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهُ﴾: عمل کرو کہ ہر کوئی اُس کام لیے میسر ہوتا ہے، جس کام کے لیے اُسے تخلیق کیا گیا ﴿﴾، صحیح البخاری / حدیث 4949 / کتاب التفسیر / باب فَسَّنِيَّسْرُهُ لِلْعُسْرَى، صحیح مسلم / حدیث 6903 / کتاب القدر / باب 1،

تو پتہ یہ چلا کہ اس قاعدے میں مذکورہ معنی اور مفہوم کو شریعت میں مختلف الفاظ میں ذکر فرمایا گیا ہے، اور مختلف انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قاعدہ بہت اہمیت کا حامل ہے، پس ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زندگیوں میں اس قاعدے کے عدم نفاذ کے بارے میں خوب اچھی طرح سے تدبر کریں، آج کی محفل میں ہم یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس قاعدے پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہماری زندگیوں میں کیا کمی اور خامیاں واقع ہوئی ہیں؟ اور ہم کن کن اچھی چیزوں کو حاصل کرنے سے محروم رہ رہے ہیں؟

.....: اس بات پر ہر کوئی اتفاق رکھتا ہے کہ ہر انسان کی صلاحیات دوسرے سے

مختلف اور کم و بیش ہوتی ہیں، اور بحیثیت مسلمان ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ انسانی صلاحیات اور قدرات میں کمال اللہ تبارک و تعالیٰ نے صرف اپنے انبیاء اور رسل علیہم السلام کو عطاء فرمایا، اور کمال مطلق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہے، انسان کو اللہ کی طرف سے ملنے والی صلاحیات کی معرفت ہونا ایک بہت ہی اہم معاملہ ہے، تاکہ انسان اپنی ذات میں اللہ کی طرف سے دی جانے والی صلاحیات کے مطابق اپنی قوتوں کو استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ دینی، دنیاوی اور اخروی فوائد حاصل کر سکے، خیال رکھیے گا کہ اپنی صلاحیات کے مطابق زندگی کا میدان عمل اختیار کرنے کی بات نہیں، نہ ہی اُن کے مطابق صرف کام کرنے کی بات ہے، بلکہ دُرست ترین طریقے پر بہترین کام کرنے کی بات ہے، جن کے ذریعے اپنے لیے، اپنے اہل خانہ و خاندان اور اپنی اُمت کے لیے دینی، دُنیاوی اور اُخریٰ فوائد حاصل کیے جائیں، اور نقصانات سے بچ کر رہا جاسکے۔

اگر ہم صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو ہمیں بڑی وضاحت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کے بیان کردہ اس قاعدے، قانون کو اپنی زندگیوں میں خوب نافذ کر رکھا تھا، پس کوئی تو اُن میں سے علم و فقہ میں برتر تھا، تو کوئی میدان جہاد کا مرد آہن، کوئی خطابت میں اعلیٰ، تو شاعری میں بلند، کوئی روزے رکھنے میں آگے، تو کوئی قیام اللیل میں، اور کوئی صدقہ و خیرات کرنے میں آگے، غرضیکہ ہر کوئی اپنی اُس صلاحیت کو جان کر جو اُسے اللہ نے عطاء کی تھی اُسے اللہ کی رضا کے لیے خوب استعمال کرنے والا تھا،

آپ صاحبان کے سامنے ایک سبق آموز واقعہ پیش کرتا چلوں، جس کے ذریعے ہمارے زیر تفہیم موضوع کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی ان شاء اللہ،

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے "" "" التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد / باب الميم / تابع لحرف الميم / تابع لمحمد بن شهاب / باب السابعة العشرون "" "" میں لکھا کہ :::

أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْعُمَرِيَّ الْعَابِدَ كَتَبَ إِلَى مَالِكٍ يَخُصُّهُ إِلَى الْإِنْفِرَادِ وَالْعَمَلِ وَيَرْغُبُ بِهِ عَنِ الْجُمُعَةِ إِلَيْهِ فِي الْعِلْمِ فَكَتَبَ إِلَيْهِ مَالِكٌ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَسَمَ الْأَعْمَالَ كَمَا قَسَمَ الْأَرْزَاقَ قَرُبَ رَجُلٍ فُتِحَ لَهُ فِي الصَّلَاةِ وَلَمْ يُفْتَحْ لَهُ فِي الصَّوْمِ وَآخَرُ فُتِحَ لَهُ فِي الصَّدَقَةِ وَلَمْ يُفْتَحْ لَهُ فِي الصِّيَامِ وَآخَرُ فُتِحَ لَهُ فِي الْجِهَادِ وَلَمْ يُفْتَحْ لَهُ فِي الصَّلَاةِ وَنَشُرُ الْعِلْمِ وَتَعْلِيمُهُ مِنْ أَفْضَلِ أَعْمَالِ الْبِرِّ وَقَدْ رَضِيتُ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ لِي فِيهِ مِنْ ذَلِكَ وَمَا أَظُنُّ مَا أَنَا فِيهِ بِدُونِ مَا أَنْتَ فِيهِ وَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ كِلَانَا عَلَى خَيْرٍ وَيَجِبُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنَّا أَنْ يَرْضَى بِمَا قُسِمَ لَهُ وَالسَّلَامُ۔

ترجمہ ::: عبد اللہ بن عبد العزیز العمری العابد نے امام مالک رحمہ اللہ کو خط لکھا جس میں امام مالک رحمہ اللہ کو انفرادی طور پر رہنے اور انفرادی عمل کرنے کی ترغیب دی، اور ان کے پاس علم کے ہونے والے اجتماعات سے دُور ہونے کی بات کی، تو امام مالک رحمہ اللہ نے جواب میں لکھا کہ "" "" بے شک اللہ عز و جل نے (انسانوں میں) کام بھی اُسی طرح تقسیم فرمائے ہیں جس طرح رزق تقسیم فرمائے ہیں، پس

کسی کے لیے تو نماز کی ادائیگی میں آسانی مہیا فرمائی گئی اور اُس کے لیے روزے رکھنے میں آسانی نہیں دی گئی، اور کسی دوسرے کے لیے صدقہ کرنے میں آسانی مہیا فرمائی گئی اور اُس کے لیے روزے رکھنے میں آسانی نہیں دی گئی، اور کسی دوسرے کے لیے جہاد کرنے میں آسانی مہیا فرمائی گئی اور اُس کے لیے نماز کی ادائیگی میں آسانی نہیں دی گئی، اور علم پھیلانا اور سیکھنا اعلیٰ ترین نیکیوں میں سے ہے، اور اس (علم کو نشر کرنے اور سیکھنے کے کام) میں اللہ نے جو آسانی مجھے مہیا فرمائی ہے میں اُس پر راضی ہوں، اور میں نہیں سمجھتا کہ میں جس (کام) میں (لگا ہوا) ہوں وہ (کام) اُس سے کم تر ہے جس میں آپ (لگے ہوئے) ہیں، اور میں اُمید کرتا ہوں کہ ہم دونوں ہی خیر پر ہیں، اور ہم دونوں میں سے ہر ایک ہر واجب ہے کہ اُس پر راضی ہو رہیں جو اللہ نے ہمارے لیے تقسیم فرمایا ہے، والسلام ""،

غور فرمائیے کہ امام مالک رحمہ اللہ کا یہ جواب اُن کے علم کی وسعت کی ہی دلیل نہیں، بلکہ اُن کے اعلیٰ عقل اور خوبصورت ادب کی بھی دلیل ہے، اور جس قاعدے، قانون کو ہم سمجھ رہے ہیں اُس قاعدے قانون کے مطابق اُن کے عقیدے اور عمل کی بھی دلیل ہے، جس قاعدے، قانون کو لاتعداد مسلمان یا تو جانتے ہی نہیں، یا بھلائے ہوئے ہیں،

امام مالک رحمہ اللہ نے جس معاملے کو سمجھ کر اپنے مسلمان بھائیوں بہنوں سے اچھے تعلقات بنائے رکھنے کی طرف توجہ دلوائی ہے وہ معاملہ ہمارے دور میں تو بہت زیادہ گڑبڑ کا شکار نظر آتا ہے،

آپ دیکھیے کہ آپ کو ارد گرد اپنے مسلمان بھائیوں میں ایسے بہت سے بھائی دکھائی

دیں گے جن کی کہی یا لکھی ہوئی باتوں میں دوسرے بھائیوں کے لیے طعنہ بازی، نفرت اور اشتعال انگیزی ہوگی، جیسا کہ ہمارے وہ بھائی جو دین کی تعلیم حاصل کرنے اور اسے نشر کرنے میں مشغول ہیں وہ جہاد کرنے والے بھائیوں پر طرح طرح کے الزامات اور عیب لگاتے دکھائی دیں گے، کہ وہ تو بس مار کٹائی کرتے ہیں، وہ لوگ عالم نہیں، فقہ نہیں جانتے، عقیدہ نہیں جانتے وغیرہ وغیرہ،

اور اسی طرح وہ بھائی جو جہاد میں مشغول ہیں وہ علمی مشغولیات والے بھائیوں کے بارے میں ایسی ہی باتیں کرتے دکھائی اور سنائی دیں گے، بلکہ بسا اوقات توجید علماء کرام کو بھی لتاڑ دیتے ہیں، کہ انہیں صرف درس دینے کا شوق ہے، اُمت پر ٹوٹنے والی مصیبتوں کا کوئی احساس نہیں، ظالم و جابر حکمرانوں کے خلاف بات تک نہیں کرتے، بے حیائی اور بے پردگی پر بھی خاموش رہتے ہیں، لے دے کے دوچار مسئلوں پر ہی بولتے رہتے ہیں، وغیرہ وغیرہ،

جبکہ اگر دونوں طرف کے بھائی اللہ تبارک تعالیٰ کے بتائے ہوئے قاعدے، قانون ﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ...﴾ تو سب لوگوں نے اُن کے پانی پینے کی جگہ جان

لی ﴿اور﴾ ﴿قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ...﴾ فرمائیے (اے محمد) ہر کوئی اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے ﴿کو سمجھ لیں﴾ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی

زبان مبارک سے ادا کروائے گئے قاعدے قانون ﴿اعْمَلُوا فَاكُلْ مَيْسَرًا خَلِيقَ لَهُ...﴾ عمل کرو کہ ہر کوئی اُس کام لیے میسر ہوتا ہے، جس کام کے لیے اُسے تخلیق کیا گیا ﴿کو سمجھ لیں تو ان کی آپس کی کش مکش ختم ہو جائے اور اُس کش مکش کی وجہ

سے باقی مسلمانوں پر پڑنے والے منفی اثرات بھی ختم ہو جائیں،
اور اگر اس کے ساتھ ساتھ، ہمارے وہ بھائی اور ہم سب بھی، اللہ کے خلیل محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کے اس فرمان مبارک کو بھی اچھی طرح
سمجھ لیں تو سونے پر سہاگہ والا معاملے ہو سکتا ہے ان شاء اللہ،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ﴿مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ نُودِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ يَا عَبْدَ اللَّهِ، هَذَا خَيْرٌ. فَمَنْ كَانَ مِنْ
أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ
بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرِّيَّانِ، وَمَنْ
كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ::: جس کسی نے ایک قسم کی
چیز میں سے دو چیزیں (یعنی دو درہم، یا دو دینار، یا دو ایک ہی جیسے کپڑے، یا دو
ایک ہی جیسے جانور وغیرہ) اللہ کی راہ میں خرچ کیں تو اُسے جنت کے دروازوں
سے آواز دی جائے گی کہ، اے اللہ کے بندے، یہ خیر (والاکام) ہے، توجو کوئی نماز
پڑھنے والوں میں سے ہے تو اُسے نماز والے دروازے سے آواز دی جائے گی، اور جو
کوئی جہاد کرنے والوں میں سے ہے تو اُسے جہاد والے دروازے سے آواز دی جائے
گی، اور جو کوئی روزے رکھنے والوں میں سے ہے تو اُسے روزوں والے دروازے
سے آواز دی جائے گی، اور جو کوئی صدقہ کرنے والوں میں سے ہے تو اُسے صدقہ
والے دروازے سے آواز دی جائے گی﴾ صحیح بخاری / حدیث 1897 / کتاب
الصوم / باب 4، صحیح مسلم / حدیث 2418 / کتاب الزکاة / باب 28،

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے (سابقہ حوالے والے مقام میں یہ بھی) لکھا کہ ::
 "وَفِيهِ أَبْ أَعْمَالِ الْبِرِّ لَا يُفْتَحُ فِي الْأَعْلَبِ لِلْإِنْسَانِ الْوَاحِدِ فِي
 جَمِيعِهَا وَأَبْ مَنْ فُتِحَ لَهُ فِي شَيْءٍ مِنْهَا حُرِّمَ غَيْرُهَا فِي الْأَعْلَبِ، وَأَنََّّهُ قَدْ
 تُفْتَحُ فِي جَمِيعِهَا لِلْقَلِيلِ مِنَ النَّاسِ وَأَبْ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
 مِنْ ذَلِكَ الْقَلِيلِ ::" اس حدیث شریف میں یہ (مسئلہ) بھی ہے کہ عام طور پر
 ایک ہی انسان کے لیے سارے ہی نیکی کے کام کرنے میں آسانی مہیا نہیں کی جاتی،
 اور یہ (مسئلہ) بھی ہے کہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی کے لیے کسی ایک نیک
 کام کرنے میں آسانی مہیا کی جاتی ہے تو کسی دوسری قسم کی نیکی کرنے سے روک دیا
 جاتا ہے، اور یہ (مسئلہ) بھی ہے کہ کبھی کچھ لوگوں کے لیے نیکی کے سبب ہی کام
 کرنے میں آسانی مہیا کر دی جاتی ہے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہوتے ہیں، اور ابو
 بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اُن ہی کم لوگوں میں سے ہیں " ::" ،

محترم قارئین، ہمیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے بیان فرمودہ اس قاعدے، قانون پر عمل نہ کرنے والوں کی بہت سی مثالیں اپنے ارد گرد مل جاتی ہیں، مثلاً، ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بات کو فوراً اور دُرست طور پر سمجھنے، اور اچھی طرح سے یاد رکھنے کی توفیق دی ہوتی ہے، لیکن اُن لوگوں کو ایسے کاموں میں لگا دیا جاتا ہے، یا وہ خود ایسے کاموں میں لگتے ہیں جو اُن کی صلاحیات کے مطابق نہیں ہوتے، پس وہ کامیاب نہیں ہو پاتے، مثال کے طور پر ایسے کسی شخص کو جسمانی مشقت والے کاموں میں لگا دیا جائے تو وہ بے چارہ ایک ناکام انسان بن کر رہ جاتا ہے،

اور اسی طرح کسی کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی مشقت والے کام بہترین طور پر کرنے کی صلاحیات دی ہوتی ہیں تو انہیں ذہنی مشقت والے کاموں میں لگا دیا جاتا ہے یا وہ خود ایسے کاموں میں لگتے ہیں جو ان کی صلاحیات کے مطابق نہیں ہوتے، پس وہ کامیاب نہیں ہو پاتے، مثال کے طور پر ایسے کسی شخص ایسے تعلیمی میدان میں دھکیل دیا جائے یا وہ خود اُس میں داخل ہو، جہاں حافظے اور تیز اور دُرست فہم کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ شخص ناکام رہتا ہے، پریشان و پشیمان رہتا ہے،

لیکن وہ شخص خود، یا اُس کو چلانے والے اللہ کی عطاء کردہ صلاحیات کو پہچان کر اُن پر راضی ہو کر اُس شخص کو اُن صلاحیات کے مطابق استعمال کرنے کی طرف نہیں آتے، اور یوں اجتماعی طور پر ہم پوری اُمت میں صلاحیات ہونے کے باوجود اُن کے فقدان کا شکار ہیں،

ہمیں زندگی کے ہر میدان عمل میں کامیاب لوگوں کی جتنی ضرورت ہے اُس کے پورے ہونے کا سبب یہ نہیں کہ ہماری اُمت میں اُسے پوری کرنے والے لوگ ہی نہیں،

بلکہ اُس ضرورت کے پورے نہ ہونے کی وجہ اللہ جلّ جلالہ کی بیان کردہ اس قاعدے، قانون سے انحراف ہے، کہ ہم اُن صلاحیات کو پہچانتے ہی نہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں دی ہیں، پس ہم اُن کے مطابق کام اختیار نہیں کرتے، اور یوں ہماری اُمت زندگی کے بہت سے میدانِ عمل میں دوسری قوموں سے پیچھے رہے جا رہی ہے، جبکہ وہ لوگ بچپن سے ہی اپنے بچوں کی صلاحیات کو جانچ کر اُن کو اُن صلاحیات کے مطابق استعمال کرتے ہیں،

اللہ سُبحانہ و تعالیٰ نے جو قاعدہ، قانون ہمیں بتایا تھا، عملی طور پر دوسروں نے اُسے اپنا رکھا ہے اور زندگی کے بہت سے میدانِ عمل میں وہ ہم سے آگے ہو چکے ہیں، لیکن اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنے رب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بتائے ہوئے اس قاعدے پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہمارے رب ہمیں اُن دوسری قوموں سے زیادہ کامیابیاں عطاء فرمائے گا، اور جب ہم اُس قاعدے پر عمل اللہ کے فرمان پر، اللہ کی رضا کے حصول کی نیت سے کریں گے تو دُنیاوی کامیابیوں کے ساتھ اِنْ شَاءَ اللہ، آخرت کی کامیابیاں میں ملیں گی۔ والسلام علیکم۔

❦ قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،،، دوسرا قاعدہ 2 ❦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ
و الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ مُحَمَّدٍ وَّ عَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
وَأَزْوَاجِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى یَوْمِ الدِّیْنِ ، أَمَا بَعْدُ :::

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ::: اور تُم لوگ
، لوگوں کے ساتھ غمّہ (بہترین دل پذیر) انداز میں بات کرو ﴾ سُورۃ البقرہ (2)
/آیت 83،

اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ مذکورہ بالا فرمان شریف ہمارے موضوع "قرآن میں بیان
کردہ قواعد (اصول، قوانین)" میں دوسرے قانون کے طور پر بیان کیا جا رہا ہے،

یہ فرمان مبارک لوگوں سے تعلقات اور معاملات سدھارنے کے بارے میں ایک اہم قانون ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں یہ قانون ایک سے زیادہ مقامات پر ذکر فرمایا ہے، کہیں صراحت کے ساتھ اور کہیں کسی اشارتاً یا کسی اور حکم کے ضمن میں اس قانون کو ذکر فرمایا گیا ہے، جن مقامات پر صاف صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے اُن میں سے ایک تو آغاز میں ذکر کردہ سورت البقرہ کی آیت کریمہ ہے اور دوسرا مقام درج ذیل ہے :::

﴿وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيَاطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيَاطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا :: (اے محمد) میرے بندوں سے فرما دیجیے کہ وہ بات کریں جو عمدہ (بہترین دل پذیر) ہو، بے شک شیطان تم لوگوں کے درمیان فساد کروانے والا ہے، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے﴾ سورت الاسراء (17) / آیت 53،

اس دوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الفوائد قانون کو ترک کرنے کا انجام بھی بتا دیا ہے، اس کے بارے میں ان شاء اللہ آگے کچھ بات کی جائے گی، اگر ہم پہلی دو آیات مبارکہ میں تدبر کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ سورت بقرہ جو کہ مدنی سورت ہے، کی آیت میں دیا گیا حکم یہود کو دیے گئے احکامات کے سیاق و سباق میں بیان ہوا ہے، لیکن قرآن پاک میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام فرمانے کے اسلوب کے مطابق اور قرآن کی تفسیر قرآن کے اصول کے مطابق یہ واضح ہے کہ یہ حکم یہود کے لیے خاص نہیں، بلکہ ہمیں بھی یہی حکم ہے،

جیسا کہ ہماری ذکر کردہ دوسری آیت شریفہ مکی سورت الاسراء (بنی اسرائیل) کی

ہے، جس میں یہی حکم دیا گیا ہے اور کسی قوم یا اُمت کے خاص ذکر کے سیاق و سباق میں نہیں، بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے سارے ہی بندوں کو یہ حکم دیا ہے، لہذا ہماری ذکر کردہ سورت بقرہ کی آیت 83 کے سیاق و سباق کی وجہ سے کسی قاری کو یہ غلط فہمی نہیں ہونا چاہیے کہ یہ عُمدہ، اچھے، دل پذیر، نرم انداز میں بات کرنے کا حکم صرف بنی اسرائیل کے لیے خاص تھا،

پس اس حکم کے مطابق تمام ہی انسانوں کے ساتھ عُمدہ، بہترین، دل پذیر، نرم انداز میں بات کرنا مقرر فرمایا گیا، بالخصوص جب بات اسلام کے بارے میں ہو، اسلام کی دعوت دینے کے لیے ہو، ایمان اور کُفر، توحید و شرک کے فرق بیان کرنے کے لیے ہو،

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ:...﴾
(اے محمد) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عُمدہ (بہترین دل پذیر) نصیحت کے ذریعے دعوت دیجیے، اور لوگوں سے اُس انداز میں بحث کیجیے جو عُمدہ (بہترین دل پذیر) ہو، بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ کون اللہ کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی جانتا ہے ﴿سورت النحل (16) / آیت 125،

اِس عُمدہ انداز میں بات کرنے کے حکم میں سے استثناء صرف اہل کتاب، اور اُسی پر قیاس کرتے ہوئے دیگر اہل کُفر اور اہل شرک میں سے اُن لوگوں کے لیے ہے جو کسی بھی لحاظ سے ظلم کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں،

اور فتنہ و فساد پھیلانے والے ظالموں کے لیے ہے، اور ان سب ہی میں سے جو لوگ

مسلمانوں کے ساتھ کسی بھی قسم کی جنگ کر رہے ہوں، کہ ان سے جنگ ہی کی جائے گی،

﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَهُنَا وَإِلَهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾: اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے جنہوں نے ظلم کیا اُن کے علاوہ دُوسروں کے ساتھ صرف عُمَدہ (بہترین دِل پذیر) انداز میں بحث کرو، اور تم لوگ یہ کہو کہ ہم اُس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اُتارا گیا اور (اُس پر بھی) جو تمہاری طرف اُتارا گیا، اور ہمارا اور تمہارا (حقیقی اور سچا) معبود ایک ہی ہے، اور ہم اُس کے لیے ہی تابع فرمان ہیں (جب کہ تم لوگوں نے ایسا نہیں کیا) ﴿سُورَةُ الْعنكَبُوتِ (29) / آیت 46،

منتوں، سماجوں اور مذاکرات کے کشکول لے کر اُن سے امن اور تحفظ کی بھیک نہیں مانگی جائے گی، بلکہ ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ ○ وَقَاتِلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُم وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ○ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ○ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ

قَصَاصٌ فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ :: اور جو لوگ تم لوگوں کے ساتھ لڑتے ہیں تم لوگ بھی اللہ کی راہ میں اُن کے ساتھ لڑو کرو، اور زیادتی مت کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○ اور وہ کافر تم لوگوں کو جہاں کہیں بھی ملیں انہیں مارو، اور جہاں کہیں سے انہوں نے تم لوگوں کو نکالا وہاں سے تم لوگ بھی انہیں نکال دو، اور فساد بازی قتل سے زیادہ بُری ہے، اور ان سے مسجد محترم کے پاس لڑائی مت کرو یہاں تک کہ مسجد محترم میں تم لوگوں سے لڑائی کریں، پس اگر وہ (مسجد محترم) میں تم لوگوں سے لڑائی کریں تو تم لوگ بھی اُن سے لڑائی کرو، یہی جزاء ہے کفر کرنے والوں کے ○ پس اگر وہ لوگ باز آجائیں تو بے شک اللہ بخشش کرنے والا رحم کرنے والا ہے ○ اور تم لوگ اُن لوگوں کے ساتھ اس وقت تک لڑائی کرتے رہو جب تک (اُنکا) فتنہ ختم نہ ہو جائے اور دین اللہ کے (قائم و نافذ) ہو جائے، پس اگر وہ لوگ باز آجائیں تو پھر سوائے ظالموں کے کسی پر سختی نہیں کی جائے۔۔ حرمت والے محترم مہینے کا بدلہ (ویسا ہی) حرمت والا محترم مہینہ ہی ہے، اور محترم چیزیں ایک دوسرے کا بدلہ ہیں، لہذا جو کوئی تم لوگوں کو تکلیف پہنچائے تو تم لوگ بھی اُسے اُسی طرح اور قدر تکلیف پہنچاؤ جس طرح اور جتنی تکلیف اُس نے تم لوگوں کو پہنچائی، اور اللہ (کے غصے اور عذاب) سے بچو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے ﴿سورت البقرہ (2)/ آیات 190 تا 194،

اس قتال فی سبیل اللہ کے احکام کا سلسلہ آیت رقم 194 تک ہے، قرآن کریم میں

اس کا مطالعہ کیا جائے تو بہت وضاحت سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ جو کفار و مشرکین مسلمانوں سے لڑتے ہوں ان سے لڑا جائے گا یہاں تک کہ اُن کے فتنے کا خاتمہ ہو جائے، یا وہ لوگ لڑائی بند کر دیں، اور اللہ کے دین کا نفاذ ہو جائے،

﴿فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ::::﴾ لہذا جو کوئی تم لوگوں کو تکلیف پہنچائے تو تم لوگ بھی اُسے اُسی طرح اور قدر تکلیف پہنچاؤ جس طرح اور جتنی تکلیف اُس نے تم لوگوں کو پہنچائی، اور اللہ (کے غصے اور عذاب) سے بچو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے ﴿سورت البقرہ (2)/ آیت 194،

آغاز میں ذکر کردہ سورت بقرہ کی آیت 83 کی ایک قرأت جو کہ حمزہ اور کسائی رحمہما سے منقول ہے، اس قرأت میں ﴿حُسْنًا﴾ کو ﴿حَسَنًا﴾ پڑھا گیا ہے، دونوں کا مفہوم ایک ہی بنتا ہے، لیکن ﴿حَسَنًا﴾ میں معاملہ زیادہ واضح ہو جاتا ہے، علماء کا کہنا ہے کہ "" حسن بات وہ ہوتی ہے جو اُس میں موجود الفاظ، کرنے کے انداز، معنی اور مفہوم ہر لحاظ سے بہترین ہو، نرم گوئی پر مشتمل ہو، تشرش کلامی اور فحش گوئی والی نہ ہو، اور خیر والی ہو، خیر کی طرف بلانے والی ہو، کہ ہر حسن بات خیر والی ہوتی ہے اور ہر خیر والی بات حسن ہوتی ہے "" (تفسیر العثیمین)،

آج ہم اس قانون کے نفاذ کے پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت مند ہیں، کیونکہ اپنے مقامی معاشرے کے علاوہ اب ہمارے ہمارے معاملات اور ہماری بات چیت بین الاقوامی طور پر براہ راست یا بلواسطہ مختلف رنگوں، نسلوں، قوموں اور ملکوں کے

لوگوں سے پہلے سے کہیں زیادہ ہے، اُن لوگوں میں نیک و بد، کافر و مسلمان، موحد و مشرک، مرد و عورت، چھوٹے، جوان، بوڑھے غرضیکہ ہر قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں،

اپنے مقامی معاشرے میں کچھ ہمارے خاص قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں، کچھ غریب، کمزور محتاج لوگ ہوتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں خاص طور پر حکم دیا گیا ہے کہ ہم اُن کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے نرم بات کریں اور کسی قسم کی سخت کلامی نہ کریں، یہ احکام ضمناً اور اشارتاً "" ""عُمدہ بات "" "" کرنے کے حکم میں ہی آتے ہیں،

اشارتاً اور ضمناً اس قانون کا ذکر درج ذیل آیات مبارکہ میں فرمایا گیا :::

..... (1) اللہ سُبحانہ و تعالیٰ کے مقرر کردہ اس قانون کی عملی تطبیق کے لیے ایک حکم والدین کے ساتھ بات چیت کے انداز کے بارے میں فرمایا گیا :::

جیسا کہ والدین سے بات چیت کرنے کے بارے میں اللہ پاک نے حکم فرمایا ﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أِفْ وَلَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا :: (پس تم) اپنے (والدین کو اُف تک بھی نہ کہو اور نہ انہیں ڈانٹو اور اُن سے ادب و احترام کے ساتھ بات کرو)﴾ سُورۃ الاسراء (17) / آیت 23،

ڈانٹ ڈپٹ والی بات نہ کرنے کا حکم اور ادب و احترام والی بات کرنے کا حکم، اچھی، عُمدہ، نرم، دل پذیر بات کرنے کے حکم کا مفہوم ہی رکھتا ہے،

..... (2) اسی طرح معاشرتی زندگی میں اللہ سُبحانہ و تعالیٰ کے اس

حکم کے نفاذ کے لیے ایک اور ایسے کام کا بالخصوص ذکر فرمایا گیا جس میں بات کرتے ہوئے اکثر لوگ ترش کلام ہو جاتے تھے، اور ہو جاتے ہیں، لہذا مدد کا سوال کرنے والے غریب، کمزور اور محتاج لوگوں سے بھی سخت کلامی سے منع فرمایا گیا ہے فرمایا ﴿وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾: اور کسی سوال کرنے والے کو ڈانٹنا نہیں ﴿سُورَةُ الضَّحٰی (93)/ آیت 10﴾،

"" کچھ علماء اس آیت مبارکہ کا حکم ہر قسم کے سوال کرنے والے شخص کے بارے میں قرار دیتے ہیں، خواہ وہ مال کا سوال کرنے والا ہو، یا علم کا (یا کسی اور معاملے میں کسی مددگاری کا طالب ہو) ""،

علامہ الاکوسی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا "" اس حکم کا مطلب ہے کہ سوال کرنے والے کو ڈانٹو نہیں، بلکہ یا تو اُسے کوئی چیز دے دو، یا اچھی خوبصورت بات کے ذریعے اسے جواب دے دو ""، (روح المعانی)

.....: (3): اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقرر کردہ اس قانون کی عملی تطبیق کے لیے ایک اور قاعدہ، قانون معاشرتی معاملات میں، اور خاص طور پر دینی معاملات میں بات چیت کے لیے بیان فرما دیا گیا، جو صرف مقامی معاشرے تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ بین الاقوامی طور پر جہاں جہاں تک کسی مسلمان کے تعلقات ہیں، اور جہاں جہاں اُسے گفت و شنید کرنا ہے وہ اس قاعدے اس قانون کو اپنا کر دینی، دُنیوی اور اُخروی فوائد پاسکتا ہے، ان شاء اللہ، اور وہ قاعدہ، وہ قانون ہے،

﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾: اور جب اُن (یعنی رحمان کے ایمان والے بندوں) کے ساتھ جاہل لوگ بات کرتے ہیں تو وہ (رحمان کے

ایمان والے بندے) کہتے ہیں ﴿سُورَةُ الْفُرْقَانِ (25) آیت 63،

اس مذکورہ بالا قاعدے، قانون کی پابندی کرنے کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے مضبوط ایمان والے بندوں کی صفات میں فرمایا ہے، ایسے بندے جن کی بندگی کی نسبت اپنے خاص نام "الرَّحْمَنُ" سے جوڑ کر اُن کا ذکر فرمایا،

اس قاعدے سے استثناء صرف اس حد تک ہے کہ جب تک کہ کسی جاہل سے بات کرتے ہوئے اُس جاہل یا اُس گفتگو کو سننے پڑھنے والوں کے لیے کسی خیر کا امکان ہو، بات چیت کی جائے، لیکن جب اس کی توقع مفقود ہو جائے یا فساد کا ظہور محسوس ہونے لگے تو پھر کسی جاہل سے بات چیت کرنے سے رکنا ہی چاہیے،

امام محمد ابن جریر الطبری حمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کے معنی و تفسیر میں کہا "اور جب اللہ کے بارے میں جہالت کے مارے ہوئے لوگ ایسی بات کرتے ہیں جو اُن (رحمان کے بندوں) کے لیے ناگوار اور ناقابل برداشت ہوتی ہے تو رحمان کے بندے اُن جاہلوں کو اچھے انداز میں جواب دے کر بات کرنے سے رک جاتے ہیں"، (تفسیر الطبری)،

"اور رحمان کے بندے ایسا کسی کمزوری کی بنا پر نہیں کرتے، بلکہ اپنی شان کی بلندی کے سبب کرتے ہیں، اور نہ ہی اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ان جاہلوں کو جواب دینے سے عاجز ہوتے ہیں بلکہ اپنی بلندی کو قائم رکھنے کے لیے کرتے ہیں، اور اس لیے کرتے ہیں کہ اپنے وقت اور اپنی جدوجہد کو ایسے کاموں میں صرف کریں جو کام ایک باعزت اور سچے ایمان والے شخص کی شان کے لائق ہو اور زیادہ اہم، بزرگی والے اور بلندی والے ہوں" (ظلال القرآن، سید قطب)

لیکن افسوس اور صد افسوس کہ اب قرآن والی اُمت کی اکثریت اللہ کے مقرر کردہ اس قانون اور قاعدے سے تجاوز کرتی ہے، دین کی دعوت دینے میں، والدین کے ساتھ بات کرنے میں، میاں بیوی کے درمیان بات چیت میں، اولاد کے ساتھ بات چیت میں، کام کے ساتھیوں اور اپنے ملازمین کے ساتھ بات چیت میں، تجارتی اور کاروباری بات چیت میں، غرضیکہ زندگی کا کوئی پہلو ایسا دکھائی نہیں دیتا جس میں آج قرآن والی اُمت اس قرآنی قاعدے اور قانون کا عملی نفاذ کرتی ہو، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ،

میں نے اپنی بات کے آغاز میں سُورت الاسراء کی آیت مبارکہ ﴿وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ اِبْنَ الشَّيْطَانِ﴾ کا بعد لَإِنْسَانٍ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿سُورت الاسراء (17) / آیت 53، کے بعد کہا تھا کہ اس دوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الفوائد قانون کو ترک کرنے کا انجام بھی بتا دیا ہے،

اختتام میں اس طرف توجہ دلوانا چلوں کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس فرمان مبارک میں تدبر کرتے ہیں تو ہمیں یہ سمجھ آتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا ہے کہ اگر ہم انسان اس قاعدے کو چھوڑ دیں گے تو شیطان جو کہ ہماری ازلی اور کھلا دشمن ہے ہمارے درمیان فساد واقع کروادے گا، لاشک کہ اللہ عزّوجلّ سے بڑھ سچا اور کوئی نہیں پس اس کے اس فرمان کی حقانیت بھی آج سب کے سامنے ہے اور انکار یا تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔

کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اپنے رب کی طرف سے اُسکی کتاب قرآن کریم میں نازل کیے

گئے اس قاعدے، قانون کو سمجھ لیں، اپنائیں اور اپنے اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر، اُس سے اپنے دین، دُنیا اور آخرت کی کامیابیاں حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہیں، والسلام علیکم۔

❦ قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،، تیسرا قاعدہ 3 ❦

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمَزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْسِهِ
وَالصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
وَأَزْوَاجِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ، أما بعد :::

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى
حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ::﴾ اور یہودی، اور عیسائی ہرگز آپ سے اُس وقت تک راضی
نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ اُن کی ملت کی پیروی نہ کرنے لگیں ﴿سُورَةُ
البقرہ (2)/آیت 120،

اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ مذکورہ بالا فرمان ہمارے موضوع "قرآن میں بیان کردہ
قواعد (اصول، قوانین)" میں تیسرے قانون کے طور پر بیان کیا جا رہا ہے،
اللہ سُبحانہ و تعالیٰ یہ مذکورہ بالا فرمان چودہ صدیاں پہلے نازل فرمایا گیا، لیکن اللہ
تعالیٰ کے دیگر فرامین کی طرح یہ بھی آج تک ہم مسلمانوں کے لیے بالکل ہمارے
موجودہ حال اور آنے والے مستقبل کی سچی خبر ہے، بلکہ ایک قاعدہ، ایک قانون ہے

، جس کی سچائی اللہ تبارک و تعالیٰ، اُس کو نازل فرمانے کے وقت سے لے کر آج تک دکھا رہا ہے اور ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اس میں کبھی کہیں کوئی تبدیلی ہونے والی نہیں، کیونکہ کہ ہمارے، اور ساری ہی مخلوق کے اکیلے اور لا شریک خالق کی طرف سے مقرر ہے اور وہ اپنی مخلوق کے بارے میں سب ہی کچھ جانتا ہے، حتیٰ کہ وہ کچھ بھی جو کچھ مخلوق اپنے بارے میں نہیں جانتی،

یہ قاعدہ سُورت البقرہ میں نازل فرمایا گیا، یہ سُورت مدینہ المنورہ میں نازل فرمائی گئی، جب کہ وہاں اور اس کے ارد گرد یہود اور کچھ دیگر اہل کتاب بستے تھے، لہذا اس سُورت میں عمومی طور پر اہل کتاب کی حقیقت اور اُن میں سے خاص طور پر یہود کی حقیقت بیان فرمائی گئی، اور اُن بیان فرمودہ حقائق میں سے ایک حق یہ قاعدہ بھی ہے،

اس آیت کریمہ، جس میں یہ قانون بیان فرمایا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی طرف سے یہودیوں کے تالیف قلب کی بہت سی کوششوں کے بعد نازل فرمائی گئی، کیونکہ یہودیوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی اُن نیک کوششوں میں سے کسی کا بھی کوئی اثر ظاہر نہیں ہو رہا تھا، لہذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی اُن کوششوں کو روکتے ہوئے، یہودیوں اور عیسائیوں کے باطن کی حقیقت ظاہر فرماتے ہوئے، مسلمانوں کے لیے ایک قانون، ایک قاعدہ بیان فرمایا دیا کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم) آپ (اور مُسلمان) ان عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ کتنا بھی اچھا سلوک کرتے رہیں یہ لوگ اُس وقت تک آپ کے ساتھ راضی نہیں رہ سکتے جب تک کہ آپ اُن

کے دین میں داخل نہ ہوں،

إمام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے اپنی معروف تفسیر ""جامع البیان عن تأویل آی القرآن"" میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا:::

""یعنی بِقَوْلِهِ جَلَّ ثَنَاؤُهُ ﴿وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ وَلَيْسَتْ الْيَهُودُ يَا مُحَمَّدُ وَلَا النَّصَارَى بِرَاضِيَةٍ عَنْكَ أَبَدًا، فَدَعُ طَلَبَ مَا يُرْضِيهِمْ وَيُؤَافِقُهُمْ، وَأَقْبِلْ عَلَى طَلَبِ رِضَا اللَّهِ فِي دُعَائِهِمْ إِلَى مَا بَعَثَكَ اللَّهُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ. فَإِنَّ الَّذِي تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ مِنْ ذَلِكَ لَهُوَ السَّبِيلُ إِلَى الْاجْتِمَاعِ فِيهِ مَعَكَ عَلَى الْأُلْفَةِ وَالذِّينِ الْقَيِّمِ. وَلَا سَبِيلَ لَكَ إِلَى إِرْصَائِهِمْ بِاتِّبَاعِ مِلَّتِهِمْ؛ لِأَنَّ الْيَهُودِيَّةَ ضِدَّ النَّصْرَانِيَّةِ، وَالنَّصْرَانِيَّةَ ضِدَّ الْيَهُودِيَّةِ، وَلَا تَجْتَمِعُ النَّصْرَانِيَّةُ وَالْيَهُودِيَّةُ فِي شَخْصٍ وَاحِدٍ فِي حَالٍ وَاحِدَةٍ، وَالْيَهُودُ وَالنَّصَارَى لَا تَجْتَمِعُ عَلَى الرِّضَا بِكَ، إِلَّا أَنْ تَكُونَ يَهُودِيًّا نَصْرَانِيًّا، وَذَلِكَ مِمَّا لَا يَكُونُ مِنْكَ أَبَدًا، لِأَنَّكَ شَخْصٌ وَاحِدٌ، وَلَنْ يَجْتَمِعَ فِيكَ دِينَانِ مُتَصَادِفٍ فِي حَالٍ وَاحِدَةٍ. وَإِذَا لَمْ يَكُنْ إِلَى اجْتِمَاعِهِمَا فِيكَ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ سَبِيلٌ، لَمْ يَكُنْ لَكَ إِلَى إِرْصَاءِ الْفَرِيقَيْنِ سَبِيلٌ. وَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَكَ إِلَى ذَلِكَ سَبِيلٌ، فَالْزُمْ هُدَى اللَّهِ الَّذِي لِحُجْمَةِ الْخَلْقِ إِلَى الْأُلْفَةِ عَلَيْهِ سَبِيلٌ::: اللہ جل ثناؤہ کی اپنے فرمان ﴿اور یہودی، اور عیسائی ہر گز آپ سے اُس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ

آپ اُن کی ملت کی پیروی نہ کرنے لگیں ﴿﴾ سے یہ مراد ہے کہ ،، اے محمد ، نہ تو یہودی اور نہ ہی عیسائی آپ پر کبھی خوش اور راضی ہو سکتے ہیں ، لہذا آپ اُن کو راضی کرنے اور اُن کی موافقت پانے کی کوشش ترک فرمادیجیے ، اور جس حق کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا ہے ، اُس کی طرف اُن لوگوں کو دعوت دے کر اللہ کی رضا طلب کیجیے ، کیونکہ آپ اُس حق میں سے جس کی طرف اُن لوگوں کو بلائیں گے وہی آپ کے اور اُن لوگوں کے محبت اور دینِ حق پر جمع ہونے کا سبب ہو گا ، اور آپ کے لیے اُن لوگوں کے دین میں داخل ہو کر اُن لوگوں کی رضا حاصل کرنے کی بھی کوئی راہ نہیں ، کیونکہ یہودیت ، نصرانیت کی ضد ہے ، اور نصرانیت ، یہودیت کی ضد ہے ، اور کسی ایک شخص میں ، ایک ہی وقت میں یہودیت اور نصرانیت جمع نہیں ہو سکتیں ، اور یہودی اور نصرانی دونوں ہی بیک وقت اکٹھے آپ سے راضی نہیں ہو سکتے ، سوائے اِس کے کہ آپ خود یہودی یا نصرانی ہو جائیں ، اور یہ ایسا کام ہے جو آپ سے ہرگز واقع نہیں ہو سکتا ، اور نہ ہی کبھی آپ کی ذات شریف میں دو متضاد دین جمع ہو سکتے ہیں ، پس اگر آپ اپنی ذات شریف میں اِن دونوں متضاد دینوں کو جمع کرنے کی راہ نہیں پاتے تو آپ کے پاس اِن دونوں فریقوں کی رضا حاصل کرنے کا بھی کوئی راستہ نہیں ہے ، اور اگر آپ کے پاس اِس کام کی تکمیل کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے تو پھر آپ اللہ کی عطاء کردہ ہدایت پر مضبوط رہیے جو کہ ساری ہی مخلوق کے لیے محبت کی راہ ہے " " " "

پس ، اے محترم قاری ، آپ اُس پر غور فرمائیے جو کچھ اِس عظیم قاعدے میں بیان فرمایا گیا ہے ، اور اُس وعید پر غور فرمائیے جو اِس عظیم قانون میں مذکور ہے ،، کہ یہ

و عید کس کے لیے ہے؟؟؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ وعید براہ راست کسے دی ہے

؟؟؟

جی ہاں، اللہ جلّ و علا نے یہ وعید اپنے سب سے اعلیٰ و ارفع رتبے والے بندے، اپنے دوسرے اور آخری خلیل، اپنے آخری رسول و نبی محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کو دی،،، جب کہ اس بات کا کوئی امکان تک بھی نہیں تھا کہ وہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم اللہ کے دین حق کی بجائے کسی اور دین کی طرف مائل بھی ہو جاتے، کیونکہ وہ اللہ کی عصمت میں تھے، معصوم تھے، اور وہی آخری معصوم تھے،،، جب اُن صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کے لیے یہ وعید ہے، اور کافروں بالخصوص یہودیوں اور عیسائیوں کی رضا حاصل کرنے کی واحد صورت اُن کافروں کی ملت میں شامل ہونا بتا دیا گیا ہے،،، تو پھر کسی اور کے لیے اس سے محفوظ رہنے کی کیا گنجائش ہے؟؟؟ کسی اور کے لیے بھی یہ ہرگز ہرگز ممکن نہیں کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کی ملت میں شامل ہوئے بغیر اُن کی رضا اور خوشی حاصل کر لے، خواہ وہ اُن کے لیے اپنے مُسلمان بھائیوں بہنوں کی حتیٰ کہ اپنی بھی جان مال عزت و عفت سب کچھ اُجاڑ کر رکھ دے، وہ کافر پھر بھی اُس سے راضی نہیں ہوں گے،

اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ یہ بھی ہے کہ جو کوئی بھی کافروں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اُن کی باتیں مانے گا، اُن کی خواہشات کے مطابق عمل کرے گا وہ درحقیقت بے آسرا اور بے مددگار ہوگا، جو کوئی بھی اُس کا ساتھ دینے والا دکھائی دے گا وہ اصل میں اُس کا ساتھی اور مددگار نہیں ہوگا، بلکہ اُس کو بھی راہ سے ہٹانے کی تاڑ میں ہوگا، اور ان سب مصیبتوں سے بچنے کے لیے اللہ کی طرف سے اُس کا

کوئی بھی حامی و مددگار نہ ہوگا،

جی ہاں یہ ہی حق ہے، کہ حق تعالیٰ نے اسی آیت شریفہ کے اختتام میں اپنے خلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو یہ اعلان کرنے کا حکم بھی فرما دیا ہے کہ ﴿قُلْ إِنْ هَدَى اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ::﴾ کہیے، یقیناً اللہ کی عطاء کردہ ہدایت ہی اصل حقیقی ہدایت ہے، اور آپ کے پاس (حق کے بارے میں) علم آجانے کے بعد بھی اگر آپ نے اُن لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی، تو (یاد رکھیے کہ) اللہ سے (بچانے کے لیے) آپ کا کوئی بھی حامی نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی مددگار ﴿

اے میرے ایمان والے بھائیو، اور بہنو، کچھ تدبیر فرمائیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانی زندگی کے معاملات کو کس طرح دو قسموں میں تقسیم فرما کر انتہائی واضح فرما دیا ہے کہ :

دو ہی راستے، دو ہی طریقے ہیں، (1) ہدایت، اور (2) بے ہدایتی، جس میں نفسانی، ذہنی، جسمانی، ظاہری اور باطنی ہر قسم کی خواہشات اور افکار کی پیروی ہوتی ہے، اور یہ کہ، اصل حقیقی ہدایت وہی ہے جو اللہ کی طرف سے عطاء ہوتی ہے، اور، یہ کہ، اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ خواہشات اور افکار کی پیروی ہے،

إمام محمد ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے اپنی مشہور و معروف تفسیر "جامع البیان عن تأویل آی القرآن" (تفسیر طبری) میں اس آیت شریفہ کی

تفسیر میں فرمایا :::

"" یعنی جَلَّ ثَنَاؤُهُ بِقَوْلِهِ: ﴿وَلَّيْنِ اتَّبَعْتَ﴾ يَا مُحَمَّدُ هَوَى هَوُلَاءِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى، فِيمَا يُرْضِيهِمْ عَنْكَ مِنْ قَهْوٍ وَتَنْصُرٍ، فَصَرْتُ مِنْ ذَلِكَ إِلَى إِرْضَائِهِمْ، وَوَأَقَفْتُ فِيهِ مَحَبَّتَهُمْ مِنْ بَعْدِ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ بِضَلَالَتِهِمْ وَكُفْرِهِمْ بِرَبِّهِمْ، وَمِنْ بَعْدِ الَّذِي اقْتَصَصْتُ عَلَيْكَ مِنْ نَبِيِّهِمْ فِي هَذِهِ السُّورَةِ، ﴿مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ﴾. يَعْنِي بِذَلِكَ: لَيْسَ لَكَ يَا مُحَمَّدُ مِنْ وَلِيٍّ يَلِي أَمْرَكَ، وَقَيِّمِ يَقُومُ بِهِ، وَلَا تَصِيرِ يَنْصُرَكَ مِنَ اللَّهِ، فَيَذْفَعُ عَنْكَ مَا يَنْزِلُ بِكَ مِنْ عُقُوبَتِهِ، وَيَمْنَعُكَ مِنْ ذَلِكَ أَنْ أَحَلَّ بِكَ ذَلِكَ رَبُّكَ ::::: اللہ جل ثناؤہ اپنے فرمان ﴿اگر آپ نے اُن لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی﴾ میں یہ بتا رہا ہے کہ، اے محمد، اِن یہودیوں اور عیسائیوں کی وہ خواہش جس کے ذریعے آپ انہیں اپنے بارے میں راضی کر سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ آپ یہودی ہو جائیں یا نصرانی، تو (صرف) اسی طرح ہی آپ اُن کی خوشنودی کی طرف جاسکتے ہیں، اور اِس طریقے سے ہی اُن کی پسند کی موافقت کر سکتے ہیں، (اور اگر) آپ اس کے بعد جب کہ (اللہ کی طرف سے) اُن لوگوں کی گمراہیوں اور اُن کے رب کے ساتھ کفر کے بارے میں علم آپ کے پاس آچکا ہے، اور اس کے بعد کہ میں نے اِس سورت میں آپ کو اُن لوگوں کی خبریں دے دی ہیں (لہذا) ﴿یاد رکھیے کہ﴾ اللہ سے (پچانے کے لیے) آپ کا کوئی بھی حامی نہ ہو گا اور نہ ہی کوئی مددگار ﴿، اس سے اللہ کی مراد یہ ہے کہ، اے محمد (اگر آپ نے اُن

بین اور بہت زیادہ خبر رکھنے والا ہے ﴿﴾، سورت المملک (67) / آیت 14،

جی ہاں یقیناً اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی مخلوق کے ظاہر و باطن کے سارے ہی معاملات اور احوال مخلوق سے زیادہ جانتا ہے اور مخلوق کی تخلیق سے پہلے تقدیر مقرر فرما چکا ہے، پس ہر مخلوق کے خاتمے کے بعد بھی اس کے احوال کا علم رکھتا ہے،

اس اکیلے لاشریک خالق اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اپنی مخلوق کے کچھ لوگوں کے بارے میں جو اُن کی یہ حقیقت ایک قاعدے، ایک قانون کی صورت میں بیان فرمائی گئی ہے اس میں رتی برابر بھی شک کی گنجائش نہیں،

لیکن،،، افسوس صد افسوس کے مسلمانوں کی صفوں میں ہی کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو اپنے اکیلے اور لاشریک خالق کے بیان کردہ اس قانون کے بارے میں مشکوک ہیں، اور نہ صرف یہ کہ خود مشکوک ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس قاعدے کے بارے میں شکوک کا شکار کرنے کی ملحدانہ کوششوں میں لگے رہتے ہیں،

ان شکوک کی عام شکل یہ ہے کہ کچھ لوگ یہودیوں اور عسائیوں کو کافر نہیں کہتے بلکہ انہیں اہل کتاب کہہ کر کفار کی گنتی سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، اور یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ کافر تو وہ ہے جو اہل کتاب نہیں، جبکہ اُن لوگوں کا یہ فسفہ اللہ اور اس کے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ و سلم کے فرامین کے بالکل خلاف ہے، لیکن شکوک کے شکار اور شکوک پھیلانے والے لوگ یا تو حق جانتے ہی نہیں اور یا پھر جان بوجھ کر اُس کی مخالفت کرتے ہیں،

یہ شکوک کے شکار یا شکوک پھیلانے والے خواہ حق کے بارے میں جاہل ہوں، یا

جانتے بوجھتے ہوئے مخالفت کرنے والے، دونوں کا ہدف مشترک ہوتا ہے کہ کسی طور مسلمانوں میں کفار کی چاہت، محبت، لگاؤ، میلان پیدا کر دی جائے، اور اُن کے سامنے اس طرح احساس کمتری کا شکار کر دیا جائے کہ مسلمان دین اور دُنیا کے ہر معاملے میں اُن کافروں کی ہی پیروی کرنے لگیں، یہاں تک کہ وہ نام نہاد مسلمان رہ جائیں جیسا کہ اس وقت ہماری اکثریت کا حال ہے، اور پھر بھی وہ کافر اور اُن کے لیے دانستہ یا نادانستہ کام کرنے والے ایسے مسلمانوں پر راضی نہیں،

کہیں اگر کسی اکاؤنٹ کو کفار کی طرف سے دُنیاوی مال و متاع میں سے کچھ یا بہت کچھ ملتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ وہ اُس پر راضی ہو گئے، بلکہ جب تک وہ اُسے استعمال کرنا چاہتے ہیں، دُنیا کی لذتوں میں غرق کیے رکھتے ہیں، اور جب اُن کا کام نکل جاتا ہے تو یا تو چھوڑ کر ایک طرف ہو جاتے ہیں اور یا پھر اسے قتل کر دیا جاتا ہے، یہ ایک ایسی مسلسل تاریخی حقیقت ہے جس سے کوئی بھی دُرست اور صحت مند عقل والا انسان انکار نہیں کر سکتا، جسے جاننے کے لیے اور سمجھنے کے لیے قرآن و حدیث یا شرعی علوم کا قاری یا ماہر ہونے کی بھی ضرورت نہیں، اپنے ارد گرد ماضی بعید سے لے کر حال تک پر نظر کرنے سے ہی یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے،

ایسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے، ہو رہا ہے، اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا، کیونکہ مسلمان و کافر کے اکیلے خالق نے یہ قانون، یہ قاعدہ بیان فرما دیا ہے کہ کافر اور بالخصوص یہودی اور عیسائی کسی بھی مسلمان سے خاص طور پر، اور کسی بھی انسان سے عام طور پر، اُس وقت تک راضی نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اپنا دین چھوڑ کر اُن کے دین پر نہ آجائے اور اُن کی ملت میں شامل نہ ہو جائے،

میرے محترم قارئین، ہمارے اکیلے خالق و مالک اللہ جلّ جلالہ نے اپنی کتاب کریم قرآن حکیم میں، کافروں کی طرف سے اس قاعدے، اس قانون پر عمل پیرائی کے کئی اور انداز، اور کیفیات بھی ہمیں بتائی ہیں، تاکہ ہم لوگ اُن کی کافروں کی حقیقت کے بارے میں کسی شک کا شکار نہ ہوں،

اللہ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ...﴾ اہل کتاب پر حق واضح ہو چکنے کے بعد (بھی) اُن کے نفوس میں پائے جانے والے حسد کی وجہ سے، اُن کی اکثریت کی یہ خواہش ہے کہ وہ تم لوگوں کے ایمان (لاچکنے) کے بعد (بھی) تم لوگوں کو پھر سے کافر بنا دیں ﴿، سُوْرَتِ الْبَقَرَةِ (2) / آیت 109،

اور ارشاد فرمایا دیا ہے کہ ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ...﴾ آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کے بارے میں پوچھتے ہیں، فرمادیجیے کہ اس مہینے میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے، اور اللہ کے راستے سے روکنا، اور اللہ سے کفر کرنا، اور مسجد الحرام (کی حدود میں لڑنا) اور

مسجد الحرام کی حدود میں رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا، اللہ کے ہاں (حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنے سے بھی) بڑا گناہ ہے، اور فتنہ پھیلانا قتل سے بھی بڑا (گناہ) ہے، اور یہ لوگ اُس وقت تک تم لوگوں سے لڑتے ہی رہیں گے جب تک کہ، یہ ایسا کر سکیں کہ تم لوگوں کو تمہارے دین سے واپس پھیر دیں، اور تم لوگوں میں سے جو کوئی بھی اپنے دین سے واپس (کفر) میں پلٹا، اور کافر ہونے کی حالت میں مر گیا تو دنیا اور آخرت میں ایسے لوگوں کے سارے ہی عمل برباد ہیں اور وہ لوگ جہنم والے ہیں جہاں وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ﴿، سورت البقرہ (2)/ آیت 217،

اور ارشاد فرما دیا کہ ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُرْذُوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۝ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ :: اے ایمان لانے والو، اگر تم اُن لوگوں کی پیروی کرو گے جنہوں نے کفر کیا تو وہ لوگ تم لوگوں کو تمہاری لڑیوں پر واپس پلٹا دیں گے، اور تم لوگ نقصان اٹھاتے ہوئے (کفر میں) واپس ہو جاؤ گے ۝ بلکہ (اسی پر ایمان رکھو کہ) اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہ سب سے بہترین مدد کرنے والا ہے ﴿، سورت آل عمران (3)/ آیات 149، 150،

ان آیات کریمات کی روشنی میں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمان کو اُس کے دین سے ہٹنا سب ہی کافروں کا ہدف ہوتا ہے، اور اُن کافروں میں یہودی اور عیسائی بھی شامل ہیں، اور ان دونوں معاملات کے بارے میں یہ مذکورہ بالا گواہیاں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہیں، جس سے بڑھ کر حق جاننے والا کوئی نہیں، اور جس سے

بڑھ کر سچ بولنے والا کوئی نہیں ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾ :: اور اللہ سے

بڑھ کر سچی بات کرنے والا بھلا کون ہے ﴿سُورَةُ النِّسَاءِ (4) آیت 122،

اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی

زبان مبارک سے بھی ادا کروائی ﴿مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا

هَادِيَ لَهُ إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ

وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ

فِي النَّارِ :: جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جسے اللہ گمراہ کر

دے اُسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں، یقیناً سب سے سچی بات اللہ کی کتاب ہے، اور

سب سے بہترین ہدایت محمد کی (لائی اور دی ہوئی) ہدایت ہے اور (دین میں) سب

سے برے اور شر والے کام (خود ساختہ) نئے بنائے ہوئے کام ہیں، اور (دین میں)

ہر ایک نیا (خود ساختہ) کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم

میں ہے ﴿سُنَنِ النَّسَائِي حَدِيثُ 1589 / كِتَابُ الْعِيدِينَ / بَابُ 22، إمام الالبانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا،

لہذا محترم قارئین، خوب اچھی طرح سے سمجھ لیجیے، اور اس پر ایمان رکھیے کہ اللہ

سُبْحَانَهُ و تعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ یہ قاعدہ، یہ قانون کہ ہے ﴿وَلَنْ تَرْضَى

عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ :: اور یہودی، اور عیسائی ہرگز

آپ سے اُس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ اُن کی ملت کی پیروی

نہ کرنے لگیں﴾، اور اس کے مطابق دیگر آیات کریمات جن میں سے کچھ کا ابھی

ابھی ذکر کیا گیا ہے، سب اللہ کی طرف سے خبریں ہیں، اور خبر کبھی منسوخ نہیں

ہوتی، کیونکہ کسی بھی خبر کو غلط قرار دینا، اسے منسوخ قرار دینے کا مطلب ہے کہ خبر کرنے والا جھوٹا ہے، اور اگر یہ معاملہ کسی بڑے رتبے والے انسان کے ساتھ ہو جائے تو اُس کی شخصیت داغدار ہو جاتی ہے تو بھلا معاذ اللہ، ایسے کسی معاملے کا اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات شریف کے بارے میں ہونے کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے؟؟؟
یقیناً نہیں،

کسی سچے انسان کی طرف سے آنے والی کسی خبر کی غلطی ظاہر ہونے پر یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اسے غلطی لگی، یا اُس تک بات درست طور پر نہ پہنچی، یا اُس نے بات کو ٹھیک سے نہ سمجھا وغیرہ وغیرہ،

لیکن اللہ العظیم الخیر کے بارے میں تو کسی بھی قسم کے نقص کے بارے میں سوچنا بھی کفر ہے اور یقیناً غلط ہے،

پس یہ خبریں سب کی سب سچی ہیں، کسی ادنیٰ سے شک اور شبہ کے بغیر بالکل حق اور سچ ہیں، ان کی سچائی کی مسلسل گواہیاں انسانی تاریخ میں بھری پڑی ہیں، کہ کافر مُسلموں کی طرف سے ڈھیروں نرمیاں، آسانیاں، اور سہولیات پانے کے باوجود اُن سے راضی نہیں ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں،

اور یہودی تو وہ بدترین قوم ہیں کہ جنہوں نے رحمت للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی طرف سے بے پناہ آسانیاں اور درگزر والے معاملات پانے کے باوجود اُن صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے کھانے میں زہر ملا دیا،

آخر میں ایک شک کے بارے میں وضاحت کرتا چلوں کہ اگر کچھ لوگوں کو کسی ایک کافریا کچھ کافروں کے ساتھ کچھ ذاتی قسم کے معاملات یا تجارتی معاملات کرنے میں

اُن کافروں کی طرف سے اچھائی ملتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ معاذ اللہ، اللہ جلّ جلالہ کی دی ہوئی خبر دُرست نہیں، یا زمانہ بدلنے کے ساتھ ساتھ اب اس خبر کی افادیت بھی بدل گئی ہے،

جی نہیں، اور ہر گز ہر گز نہیں، کسی ایک یا چند ایک کافروں کی طرف سے کوئی یا کچھ معاملات میں اچھائی ملنے کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں جن میں سے سب سے بڑا سبب اُن کی دُنیاوی تجارتی غرض ہوتی ہے، یا کوئی ڈر ہوتا ہے، یا کوئی اور ایسی ذاتی مصلحت ہوتی ہے جس کے لیے وہ اچھے معاملات ظاہر کرتے ہیں، لیکن جب جب جہاں جہاں اُن کی یہ مصلحتیں ختم ہو جاتی ہیں، اُن کافروں کی یہ حقیقت جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ کافر لوگ، مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کے کھانے میں زہر ملانے سے لے کر آج تک فلسطین، افغانستان، عراق، شام، کشمیر اور برما میں کافروں کی طرف سے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم دیکھ لیجیے، جو کہ اللہ سُبحانہ و تعالیٰ کے بیان کردہ اس قاعدے، اس قانون کی سچائی کے منہ بولتے ثبوت ہیں، ایسے ثبوت جن سے صرف وہی انکار کر سکتا ہے، یا جن کے بارے میں صرف وہی شخص تاویلات پیش کر سکتا ہے جس کی عقل و بصیرت کو اللہ نے مٹا دیا ہو،

اللہ جلّ و علا ہم سب کو اُس کے نازل کردہ حق کو جاننے، پہنچانے، ماننے اپنانے اور اسی پر عمل پیرا رہنے کی توفیق دے، اللہ کے دین اور اُس دین کے ماننے والوں کے دُشمنوں کو پہچاننے اور اُن کی چالبازیوں کو ناکام کرنے کی ہمت دے، والسلام علیکم۔

❖ قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،،، چوتھا قاعدہ 4 ❖

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمَزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ
وَالصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
وَأَزْوَاجِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ، أما بعد :::

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ :: اور تم
لوگوں کے لیے قصاص میں زندگی ہے ﴾ سُورۃ البقرہ (2)/ آیت 179،

اس مذکورہ بالا آیت شریفہ میں ایک ایسا قاعدہ، ایسا قانون بیان فرمایا گیا ہے، جو
انسانوں کے درمیان معاملات نمٹانے کے بارے میں نہایت ہی اہم اور لازمی ہے،
ہم سب اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ انسانوں میں ایسے لوگوں کی اکثریت ہے جو
کسی نہ کسی طور ظلم اور زیادتی اور حقوق تلفی کرنے والے ہیں، اور بسا اوقات تو وہ
ظلم یا زیادتی یا حق تلفی خود انکی اپنی ذاتوں سے ہی متعلق ہوتی ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ عظیم قاعدہ یہ عظیم قانون بیان فرمانے سے پہلے یہ ارشاد
فرمایا کہ :: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحُرُّ
بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ
بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنْ
اغْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ :: اے ایمان لانے والو، تم لوگوں پر
قتل کے معاملات میں قصاص فرض کر دیا گیا ہے، آزاد انسان کے بدلے میں آزاد

انسان اور غلام کے بدلے میں غلام، اور مَوْنِث (لڑکی، عورت) کے بدلے میں مَوْنِث، اور جو کوئی اپنے (کسی مسلمان) بھائی کو کسی معاملے میں معاف کر دے، تو معروف (نیکی) طور پر اُس کی تکمیل کی جائے، اور احسان کے ساتھ اُس ادا کیا جائے، یہ تم لوگوں کے رب کی طرف سے تم لوگوں کے لیے رعایت اور رحمت ہے، لہذا جو کوئی بھی اس کے بعد حد سے تجاوز کرے گا تو اُس کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿سُورَةُ الْبَقَرَةِ (2)/ آیت 178،

اور پھر ارشاد فرمایا ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ اور تم لوگوں کے لیے قصاص میں زندگی ہے، اے عقل والو، شاید کہ تم لوگ بچاؤ اختیار کر سکو ﴿سُورَةُ الْبَقَرَةِ (2)/ آیت 179،

ہمارے لیے اس قاعدے میں، اس قانون میں بہت سے سبق اور درس ہیں :::::

::::: پہلا سبق :::::

اگر ہم اپنی دُنیا میں کافر و مسلم سارے ہی ملکوں پر نظر کریں تو ہمیں یہ صاف سمجھ آتا ہے کہ جن ممالک میں قاتل کو بھی قتل کیے جانے کی سزا مروج ہے وہاں قتل اُن ممالک کی نسبت کم ہوتے ہیں جہاں قاتل کو سزائے موت نہیں دی جاتی، جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقرر کردہ اس مذکورہ بالا قاعدے کی حقانیت کی ایک حسی دلیل ہے،

جو لوگ شریعتِ اسلامی پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، اور قاتل کو سزائے موت دینے کے اس الہی قانون کو انسانیت اور حکمت وغیرہ کے خلاف کہتے ہیں، اور کچھ اس طرح کی بودی دلیلیں پیش کرتے ہیں کہ ایک تو قتل ہوا ہی تھا اب دوسرے کو

بھی اُس کے بدلے میں قتل کر دیا جائے تو انسانوں کی تعداد میں کمی ہوتی ہے جو مناسب عمل نہیں، لہذا قاتل کو سزائے موت نہیں دی جانی چاہیے، کوئی اور سزا دی جائے، اس طرح ایک انسان بھی بچا رہے گا اور عین ممکن ہے کہ اپنی سزا بھگتنے کے بعد وہ انسانوں کی تعداد میں اضافے کا سبب بھی بن سکے،

یہ سب باتیں عقل و حکمت سے عاری ہیں، کیونکہ صدیوں سے یہ بات مشاہدے میں ہے کہ کوئی قاتل کسی اور انسان کی پیدائش کا سبب بن سکے یا نہ بن سکے، لیکن عموماً کسی اور کا قاتل ضرور بن جاتا ہے، یا اُس کو بدلے میں قتل کی سزا ملنے پر اُس کے کیے ہوئے قتل کے سبب کئی اور قتل ہونے کا سبب ضرور بن جاتا ہے،

پس اللہ جلّ و علا کا یہ فرمان بالکل حق ہے کہ ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ اور تم لوگوں کے لیے قصاص میں زندگی ہے، اے عقل والو، شاید کہ تم لوگ بچاؤ اختیار کر سکو،

.....: دوسرا سبق :.....

اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس مذکورہ بالا فرمان میں ہمیں انسانی نفسیات کو جاننے اور سمجھنے کے لیے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اگر قاتل کو قتل کے بدلے میں سزائے موت نہ دی جائے تو مقتول کے وارث اطمینان نہیں پاتے، اور وہ انتقامی کاروائیوں پر اتر آتے ہیں، جس کا یقینی نتیجہ مزید قتل ہوتا ہے، لہذا بلا شک و شبہ یہ ہی حق ہے کہ ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ اور تم لوگوں کے لیے قصاص میں زندگی ہے، اے عقل والو، شاید کہ تم لوگ بچاؤ اختیار

کر سکو ﴿﴾،

.....: تیسرا سبق :.....

اللہ پاک کے بیان فرمودہ اس مذکورہ بالا قاعدے اور قانون میں ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جب لوگوں کو اس بات کا اطمینان ہو گا کہ انہیں کسی کو قتل کرنے کی سزا میں قتل نہیں کیا جائے گا تو لوگ دوسروں کو قتل کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے اور اے انسانوں تمہاری زندگیاں بہت حقیر اور سستی ہو جائیں گی، لہذا قصاص کے قانون میں تمہارے لیے موت نہیں بلکہ زندگی ہے، پس بلا شک و شبہ یہ ہی حق ہے کہ ﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ اور تم لوگوں کے لیے قصاص میں زندگی ہے، اے عقل والو، شاید کہ تم لوگ بچاؤ اختیار کر سکو ﴿﴾،

.....: چوتھا سبق :.....

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس مذکورہ بالا فرمان میں سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اللہ جلّ جلالہ کا مقرر کردہ اس قاعدے قانون کی حکمت ہر کسی کی سمجھ میں آنے والی نہیں بلکہ اسے عقل مند لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴾: اے عقل والو ﴿﴾ یعنی عقل والوں کو ہی مخاطب فرما کر اس قاعدے کی حکمت کی طرف توجہ دلوائی ہے،

.....: پانچواں سبق :.....

اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس مذکورہ بالا فرمان میں یہ ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ

قصاص کے قانون کا نفاذ ہمارے لیے عدل و انصاف کرنے میں زیادتی یا کمی کرنے سے بچنے کا ذریعہ بھی ہے اور انتقامی کاروائیوں کا شکار ہونے سے بچنے کا بھی،

.....: ایک خوفناک غلط فہمی کا ازالہ، ان شاء اللہ :.....

کچھ ایسے لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کلام کا موازنہ انسانوں کے کلام سے کرتے ہیں، اور افسوس کہ ایسے لوگ ہم مسلمانوں کی صفوں میں بھی پائے جاتے ہیں، اُن گمراہ اور بد عقل لوگوں کی یہ غلط فہمی بھی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان عربوں کے قول "القتل أنفی للقتل :::" قتل کرنا، قتل کرنے کی نفی ہے (یعنی قتل کو روکنا ہے) " :::" کے جیسا ہی ہے،

ان لوگوں کی اس بات کا کچھ تفصیلی جواب دینے سے پہلے میں امام ابو بکر محمد بن الطیب الباقلائی (تاریخ وفات: 403 ہجری) رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے ایسے لوگوں کے بارے میں ہی لکھا جو لوگ مخلوق کے کلام کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام پاک کے مقابل رکھتے ہیں، مخلوق کے کلام کے جیسا سمجھتے ہیں اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں،

امام صاحب رحمہ اللہ نے لکھا :::

"فإن اشتبه على مُتأدب أو مُتَشاعر أو ناشئ أو مُرَمَد فصاحة القرآن، وموقع بلاغته وعجيب براعته فما عليك منه ! إنما يخبر عن نفسه، ويدل على عجزه، ويبين عن جهله، ويصرح بسخافة فهمه وركاكة عقله :::" اور اگر کسی ادبی کلام والے، یا شاعرانہ کلام والے، یا کسی کم عمر

(یعنی کم عقل و فہم والے)، یا کسی خراب نظر والے کو قرآن کی فصاحت پر شبہ ہو، یا قرآن کی بلاغت کے مقام پر شبہ ہو، تو تمہیں اُس کی باتوں پر پریشان نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ وہ تو صرف اپنے بارے میں خبر کر رہا ہوتا ہے، اور (اُس کی باتیں اُس کی) اپنی بے بسی کے بارے میں دلیل ہوتی ہیں، اور وہ اپنی جہالت کو واضح کر رہا ہوتا ہے، اور اپنی ہی سمجھ کے کمتر ہونے اور اپنی ہی عقل کے کمزور ہونے کی صراحت پیش کر رہا ہوتا ہے ""، إعجاز القرآن / فصل فی کیفیت الوقوف علی اعجاز القرآن،

جب ہم لوگوں کی کہی ہوئی بات ""القتل أنفی للقتل"" کا اللہ تبارک و تعالیٰ کی بات شریف ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ اور تم لوگوں کے لیے قصاص میں زندگی ہے، اے عقل والو، شاید کہ تم لوگ بچاؤ اختیار کر سکو ﴿ سے موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں بڑی وضاحت اور صراحت سے درج ذیل فرق سمجھ آتے ہیں :::

- (1) اللہ جلّ و علا کی بات پاک میں حروف کی تعداد لوگوں کی بات سے کم ہے جو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بات کی فصاحت کی ایک دلیل ہے،
- (2) اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فرمائے ہوئے اس قاعدے میں الفاظ کا کوئی تکرار نہیں اور معنی اور مفہوم میں کہیں زیادہ وسعت اور درستگی ہے، اور کلام میں الفاظ کی کوئی تکرار نہیں، جبکہ لوگوں کی بنائی ہوئی بات میں لفظ ""قتل"" کی تکرار ہے جو کہ کلام کی کمزوری اور عیب کی دلیل ہے،، ایک

اور پہلو سے دیکھیے کہ "" قاف متحرک "" کا دوسرا کن حروف کے درمیان میں بات کرنے والوں کے لیے مشکل کا سبب ہے، اور یہ بھی اس کلام کی ایک اور کمزوری ہے،

..... (3) قرآن کریم میں اللہ جلّ ثناؤہ کی طرف سے بیان کردہ

اس قاعدے اس قانون میں "" قِصَاص "" کا ذکر فرمایا گیا ہے، نہ کہ "" قتل "" کا، جس کا واضح مفہوم یہ ہوا کہ یہ قانون صرف قتل کے لیے نہیں بلکہ ہر اُس جرم کی سزا پر لاگو ہوتا ہے جو کسی بھی طور کسی انسان کی جان پر کیا گیا ہو، جس کی وضاحت ہمیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس فرمان میں ملتی ہے کہ ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ

فِيهَا أَلَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذْنَ بِالْأُذْنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ

وَمَنْ لَّمْ يَجِدْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ :::: اور ہم نے اُن پر فرض کیا کہ جان کے بدلے جان، اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت، اور زخم کا بھی (ویسا ہی) بدلہ ہے، لیکن جو کوئی بدلہ (لینا) معاف کر دے وہ اُس کے لیے کفارہ ہو ہے، اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ (کلام و احکام) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی لوگ (اپنی جانوں پر بھی) ظلم کرتے ہیں ﴿سُورَةُ الْمَائِدَةِ (5) / آیت 45،

..... (4) اللہ تبارک و تعالیٰ کے بیان کردہ قرآنی قاعدے ﴿فِي

الْقِصَاصِ حَيَاةٌ :::: قِصَاص میں زندگی ہے ﴿میں قِصَاص میں زندگی ہونے کی یقینی

اور حق خبر دی گئی ہے ، جبکہ لوگوں کی بنائی ہوئی بات میں قتل کو مزید قتل کے ذریعے روکنے کا ذکر ہے جو کہ زندگی کے وجود کے خلاف ہے ، کیونکہ اللہ جلّ و عزّ کے بیان فرمودہ قانون میں تو صرف قاتل کو قتل کرنے کے بدلے میں قتل کرنے کا حکم ہے ، جبکہ لوگوں کی بنائی ہوئی بات میں قتل کو روکنے کے لیے مزید قتل کرنے کا ذکر ہے اور یہ مزید کسی قاتل تک محدود نہیں بلکہ اس زد میں کوئی بھی آتا ہے ،

..... (5) اللہ العزیز القدير یہ کلام پاک کا معنی اور مفہوم بھی بڑی وضاحت اور صراحت سے سمجھ میں آتا ہے اور کسی قسم کے اندازوں ، ٹامک ٹویوں یا ادھر ادھر کی تاویلات کی گنجائش محسوس نہیں ہوتی ، جبکہ لوگوں کی بنائی ہوئی بات کے کئی مفہیم نظر آتے ہیں ،،،، اور جب تک اس بات میں مذکور قتل کو قصاص کے مفہوم میں قید نہیں کیا جائے گا ، اور وضاحت میں یہ شرط ظاہر نہیں کی جائے کہ بات میں مذکور پہلا قتل کسی نہ تو جان بوجھ کر ہوگا اور نہ ہی کسی دشمنی کی وجہ سے ،

اگر یہ تقید اور تخصیص نہ ہو تو لوگوں کی یہ بات مجہول سی ہی رہتی ہے ، پس ، کسی مخلوق کے کلام کو خالق کے کلام کے مقابل لانا اور خالق کے کلام کے جیسا سمجھنا یا سمجھانا انتہائی جاہلانہ کام ہے ،

اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرامین مبارکہ ہر ایک لحاظ سے کسی بھی مخلوق کے کلام سے اعلیٰ و برتر ہیں ، خواہ کہیں کسی مخلوق کا کوئی کلام وہی مفہوم لیے ہوئے و مفہوم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کسی کلام کا ہو ، اللہ جلّ ثناہ کے کلام کے مقام و رتبہ تک پہنچنے کا

تصور بھی محال ہے،

یاد رکھیے، اور خوب اچھی طرح سے یاد رکھیے کہ ہمیں اللہ کے کلام کو اللہ تعالیٰ کی شان، حکمت، علم اور قدرت کے مطابق سمجھنا ہے اور اُس پر ایمان رکھنا ہے، اللہ جلّ و علا ہم سب کو اُس کے نازل کردہ حق کو جاننے، پہنچانے، ماننے اپنانے اور اسی پر عمل پیرا رہنے کی توفیق دے، اللہ کے دین اور اُس دین کے ماننے والوں کے دشمنوں کو پہچاننے اور اُن کی چال بازیوں کو ناکام کرنے کی ہمت دے، والسلام علیکم۔

❖ قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)..... پانچواں قاعدہ 5 ❖

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ
وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ
وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ، أما بعد :::

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ
أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ
يَرْشُدُونَ :::

اور اگر میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو،
یقیناً میں قریب ہوں، جب کوئی پکارنے والا (صرف) مجھے پکارتا ہے تو میں اُس کی پکار
کا جواب دیتا ہوں (یعنی قبول کرتا ہوں)، لہذا یہ (انسان) ضرور میری پکار قبول
کریں، اور ضرور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ وہ ہدایت پائے ہوئے ہو سکیں ﴿سُورَت

البقرہ (2)/آیت 186،

اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ مذکورہ بالا فرمان ہمارے موضوع "قرآن میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)" میں پانچویں قانون کے طور پر بیان کیا جا رہا ہے،
اللہ جلّ و علا کے اس مذکورہ بالا فرمان شریف میں بہت سے مسائل و معاملات بیان فرمائے ہیں،

..... (1) ایک عظیم عبادت کے بارے میں ایک عظیم قاعدہ،
قانون بیان فرمایا ہے، جو اس آیت شریفہ میں بیان کردہ مختلف مسائل و معاملات میں سے سب سے اہم ترین ہے،

اور وہ عظیم عبادت ہے دُعاء کرنا، اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دُعاء کی جائے تو براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہی کی جائے، کیونکہ جو دُعاء براہ راست اللہ تبارک و تعالیٰ سے کی جاتی ہے، اللہ جلّ جلالہ، وہ دُعاء قبول فرماتا ہے،

درمیانی واسطوں کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں، بلکہ اللہ اور اُس کے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی اجازت کے بغیر کوئی واسطہ کوئی وسیلہ اپنانا جائز ہے، یہاں سے آگے چلنے سے پہلے، اور اس عظیم قاعدے، قانون کو سمجھنے کے لیے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس فرمان میں تدبیر کرنے کے لیے ہمیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے اسلوب میں سے ایک اہم انداز کو سمجھنا ضروری ہے،

اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں چودہ (14) آیات مبارکہ میں، لوگوں کے اُن پندرہ (15) سوالات کے جوابات نازل فرمائے گئے ہیں جو سوالات لوگوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم سے کیے، تو اللہ تعالیٰ نے ہر سوال کا جواب عطاء فرماتے ہوئے اپنے خلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کو ہی یہ

حکم فرمایا کہ ""قل"" یعنی ""آپ فرمادیجیے""، یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کا نازل فرمودہ جواب لوگوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم بطور جواب سنائیں،

ان پندرہ (15) میں سے صرف ایک مقام ایسا ہے جس میں لفظ ""قل"" کی بجائے ""فقل"" ارشاد فرمایا گیا ہے،

اور ایک مقام ایسا ہے جس میں صرف سوال کا ذکر فرمایا گیا ہے، لیکن جواب عنایت نہیں فرمایا گیا،

اور سب ہی سوالات میں سے، صرف یہ، آج کے درس میں زیر مطالعہ آیت شریفہ میں ذکر کیا گیا سوال، ہی ایک ایسا سوال ہے، جس کے کیے جانے کی صورت میں، اُس کا جواب عطاء فرماتے ہوئے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی ذات شریف کو بھی اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان بطور واسطہ، اور وسیلہ نہیں رکھا، اور براہ راست ""آپ فرمادیجیے"" کا حکم دیے بغیر خود ہی جواب ارشاد فرمایا،

غور فرمائیے، اور اچھی طرح سے سمجھیے محترم قارئین، کہ ہمارے رب اللہ جلّ جلالہ کے اس فرمان شریف میں، اس اندازِ کلام میں یہ عظیم قاعدہ اور قانون بیان ہے کہ ""دُعاء صرف اور صرف براہ راست اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہی کیے جانا، جائز ہے، اُس کے علاوہ کسی اور سے دُعاء کرنا، اپنے اللہ سے دُعاء کرنے کے لیے اپنے اور اپنے اللہ کے درمیان، کسی واسطے یا وسیلے کو شامل کرنا جائز نہیں""،

جی ہاں، اپنے کسی نیک عمل کو، اللہ تبارک و تعالیٰ کی کسی صفت کو، اُس کے کسی نام

کو، دُعاء میں واسطہ بنانا اس قاعدے سے مشتمل ہے اور اسی طرح کسی نیک اور صالح لیکن زندہ مسلمان سے اپنے لیے دُعاء کروانا ایک الگ معاملہ ہے، مذکورہ بالا آیت شریفہ میں بیان فرمودہ قاعدے قانون کو سمجھتے ہوئے ان دو معاملات کو اُس کے ساتھ گڈ مڈ نہ ہونے دیا جائے، ورنہ بات سمجھ آنے کی بجائے الجھ جاتی ہے،

[[الحمد للہ، وسیلے کے بارے میں ایک الگ کتب مرتب کی جا چکی ہے]]

..... (2) اللہ جلّ وعلّٰی صرف اُسی سے دُعاء کرنے والوں کے لیے اپنی بے پناہ شفقت اور توجہ کی خوشخبری عطاء فرمائی، اور انہیں ﴿عِبَادِي﴾ : میرے بندے ﴿قراردے کر اُن کا ذکر فرمایا،

سُبْحَانَ اللہ، اپنے رب اللہ تبارک و تعالیٰ سے دُعاء کرنے والوں، اور اُس کی رحمت کے در پر گڑ گڑانے والوں کے لیے اس اندازِ فرمان ﴿عِبَادِي﴾ میں کس قدر عظیم دعوت اور خوشخبری ہے،

..... (3) پھر اللہ سُبْحَانُہُ و تَعَالٰی نے اپنے اُن بندوں کے لیے جو کہ صرف اور براہِ راست اُسی سے دُعا کرتے ہیں، کسی دوسرے کو واسطہ وسیلہ نہیں بناتے، اپنے اُن بندوں کے لیے خوش خبریوں میں اضافہ فرماتے ہوئے ایک اور عالی شان، دِل و رُوح کو سرشار کر دینے والی یہ خوش خبری عطاء فرمائی کہ ﴿فَإِنِّي قَرِيبٌ : تَوْقِينًا مِّن قَرِيبٍ ہوں﴾،

یہ ایسی خوش خبری جس سے ملنے والے احساسات و جذبات کو سچے ایمان والا دِل ہی سمجھ سکتا ہے، انہیں الفاظ کے جامے پہنانا ممکن نہیں، یا یہ کہنا چاہیے کہ میرے

لیے اُن احساسات و جذبات کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں،

::::: (4) ::::: اِس کے بعد اللہ مولا عزّ و جلّ نے صرف اور براہ راست

اُسی سے دُعا سے کرنے والے اپنے بندوں کے لیے خوش خبریوں میں مزید اضافہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿أَجِيبْ :: تو میں پکار کا جواب دیتا ہوں﴾ (یعنی قبول کرتا

ہوں) ﴿اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان مُبارک میں ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کسی کی دُعاء قبول کرنا صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہی شان ہے،

اللہ تعالیٰ نے کسی کو کتنی ہی قوت اور قُدرت عطاء کی ہو وہ اِس قابل نہیں ہوتا کہ وہ کسی کی دُعاء قبول کر سکے، یا اللہ کے ہاں کسی کی دُعاء قبول کروا سکے، کیونکہ وہ کچھ بھی ہو، ایک عاجز مخلوق ہے، اُس کو ملی ہوئی قوت اور قُدرت محدود ہے، بلکہ اکثر تو وہ خود اپنے اوپر آئی مُصیبت کو بھی نہیں ٹال سکتا، چہ جائیکہ وہ کسی دوسرے کی دُعاء قبول کر سکے، یا کروا سکے،

یہ صرف اور صرف اللہ ہی ہے جو اُسے پکارنے والوں کی، اُس سے دُعاء کرنے والوں کی دُعاء قبول فرماتا ہے، کیونکہ وہ ہی اکیلا اور لا شریک خالق ہے جس کی قوت اور قُدرت کسی حدود کی پابند نہیں، وہ ہی ہے، اور صرف وہی ہے جو جس کام کا ارادہ فرماتا ہے، جس کام کے ہونے کا فیصلہ فرماتا ہے، تو اُس کام کے ہو جانے کا حکم فرماتا ہے اور وہ کام ہو جاتا ہے ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ :: اللہ کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اُس کام کے لیے فرماتا ہے کہ ہو جا، تو وہ کام ہو جاتا ہے﴾ سُورۃ یس (36) / آیت 82،

﴿بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ

فَيَكُونُ :... آسمانوں اور زمین کو بالکل آغاز سے تخلیق کرنے والا (اللہ ہی) ہے، اور وہ جب کسی کام کا فیصلہ فرمالتا ہے تو اُس کام کے لیے فرماتا ہے کہ ہو جا، تو وہ کام ہو جاتا ہے ﴿سُورَةُ الْبَقَرَةِ (2) / آیت 117،

..... (5) اس کے بعد اللہ سُبحَانَهُ وَتَعَالَى نے ہمیں یہ سمجھایا ہے کہ وہ کس کی دُعاء قبول فرماتا ہے، پس ارشاد فرمایا ﴿الدَّاعِ إِذَا دَعَا :... جب کوئی پکارنے والا (صرف) مجھے پکارتا ہے﴾،

اللہ جلّ و علا کے اس فرمان شریف میں بڑی وضاحت سے یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ کے ہاں صرف اُسی کی دُعاء کی قبولیت ہوتی ہے جو صرف اللہ ہی کو پکارتا ہے، اور اپنے دل و دماغ و رُوح کی یکسوئی کے ساتھ، براہ راست اپنے اللہ کو پکارتا ہے، خیال رہے کہ اگر کہیں ہمیں ایسے لوگوں کی دُعاء پوری ہوتی ہوئی نظر آتی ہے جن کے احوال میں مخالف شریعت، اور خلاف توحید اعمال و اقوال شامل ہوتے ہیں تو یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں کے لیے امتحان ہے، نہ کہ اُن لوگوں کے " " " " " ولی اللہ " " " " ہونے کی علامت،

..... (6) اللہ تبارک و تعالیٰ کے بیان فرمودہ اس قاعدے، اس قانون میں ہمیں یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ اللہ عزّ و جلّ اپنے ہر اُس بندے کی پکار کا جواب دیتا ہے، اُس کی دُعاء قبول فرماتا ہے جو صرف اور براہ راست اللہ ہی کو پکارتا ہے، صرف اور براہ راست اللہ ہی سے دُعاء کرتا ہے،

پس اس فرمان میں بندوں کے لیے یہ پیغام بھی ہے کہ سچے ایمان کے ساتھ، قبولیت کی شرائط پوری کرتے ہوئے، زیادہ سے زیادہ عملی اور قولی بندگی کا ثبوت

دیتے ہوئے، خوب آہ و زاری، عجز و انکساری کے ساتھ اپنے رب کو پکارتے رہا کریں،

ایسی پکار کا جواب، ایسی دُعا کی قبولیت یقینی ہے لیکن اُس قبولیت کا طریقہ اللہ اپنی حکمت کے مطابق مقرر فرماتا ہے،

لہذا کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اللہ سُبحانہ و تعالیٰ اپنے اُس بندے کو بالکل وہی کچھ عطاء فرمادیتا ہے جس کا سوال بندہ نے کیا ہوتا ہے،

یا کبھی اُس مانگی ہوئی چیز کے بدلے میں دُنیا میں کچھ بھی نہیں دیتا، بلکہ اُس دُعا کو اُس بندے کی آخرت کے لیے محفوظ فرمادیتا ہے، تاکہ اُس بندے کی آخرت میں کام آسکے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ﴿مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُو اللَّهَ بِدُعَاءٍ إِلَّا اسْتَجِيبَ لَهُ فَإِمَّا أَنْ يُعْجَلَ لَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِمَّا أَنْ يُدْخَرَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ وَإِمَّا أَنْ يُكَفَّرَ عَنْهُ مِنْ ذُنُوبِهِ بِقَدَرٍ مَا دَعَا مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيعَةٍ رَحِمٍ أَوْ يَسْتَعْجِلَ :: کوئی (مسلمان) بندہ ایسا نہیں کہ جب وہ

(صرف اور براہ راست اور یقین کے ساتھ) اللہ سے دُعا کرے، سوائے اس کے کہ اُس کی دُعا قبول کر لی جاتی ہے، تو کبھی تو اُس کے لیے دُنیا میں ہی پوری کر دی جاتی ہے، یا کبھی اُس کے لیے آخرت میں محفوظ کر دی جاتی ہے، یا کبھی اُس کی

دُعا کی مقدار کے برابر اُس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، بشرطیکہ اُس کی دُعا گناہ والی نہ ہو، رشتہ داریوں کو توڑنے والی نہ ہو، یا بشرطیکہ وہ جلدی نہ کرے،

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کی ""اے اللہ کے رسول، جلدی کیسے

کرے گا؟ ""

تو ارشاد فرمایا ﴿يَقُولُ دَعَوْتُ رَبِّيَ فَمَا اسْتَجَابَ لِي﴾: (جلدی کرنا یہ ہے کہ) دُعاء کرنے والا یہ کہنے لگے کہ میں نے اپنے رب سے دُعاء کی لیکن اُس نے قبول نہیں کی ﴿سنن الترمذی / حدیث 3957 / کتاب الدعوات / باب 153، إمام الالبانی رحمہ اللہ نے سرخ کشیدہ جملے کے علاوہ باقی روایت کو صحیح قرار دیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے سلسلہ الاحادیث الضعیفہ / حدیث 4483،

غور فرمائیے، محترم قارئین، ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جو چند مرتبہ، کچھ دن کوئی دُعا کرتے ہیں، اور پھر اپنی دُعا کی قبولیت سے مایوس ہو کر دُعاء کرنا چھوڑ دیتے ہیں، اور معاذ اللہ بہت سے تو ایسے ہیں جو یہ کفریہ بات کرتے سنائی دیتے ہیں کہ "" کہ اللہ ہمارے تو سنتنا نہیں "" یا "" اللہ غریبوں کی سنتنا نہیں ""، وغیرہ، اللہ کی قسم کسی مسلمان کے منہ سے ایسی بات سن کر دل و رُوح کانپ کر رہ جاتے ہیں کہ وہ مسلمان اپنا عقیدہ، اور اپنے عمل جانچنے کی بجائے اللہ تبارک و تعالیٰ کی سماعت کا ہی انکار کر دیتا ہے، جبکہ اللہ سُبحانہ و تعالیٰ تو زمین کی اتھاہ گہرائیوں میں ہونے والی ہلکی سی حرکت کی سرسراہٹ بھی سنتا ہے، اور وہ مسلمان کہتا ہے کہ اللہ فلاں کی نہیں سنتا، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ، وهو المستعان،

..... (7) ہمارے اس درس میں زیر مطالعہ اور زیر تفہیم آیت

شریفہ میں ذکر کردہ قاعدے میں بیان کیا گیا ہر ایک مسئلہ اللہ کے اس آخری دین میں اہم مسئلہ ہے، اور سب ہی مسائل سب سے اہم ترین مسئلے اور حقیقت سے مربوط ہیں، اور وہ حقیقت ہے اللہ جلّ و علا کی توحید، اور اُس کے بندوں کے لیے

اُس کی رحمت کی ہمہ وقت موجودگی،

جی ہاں، محترم قارئین، غور فرمائیے، اس قاعدے، اس قانون میں اللہ سُبحانہ و تعالیٰ کے دین حق کی عظمت کے رازوں میں سے ایک راز کا بیان ہے،

اور وہ یہ کہ اللہ جلّ جلالہ جو کہ سب بادشاہوں کا ایسا بادشاہ ہے کہ جس کی بادشاہی کی ادنیٰ سے ادنیٰ حد بھی کسی بڑے سے بڑے سے بادشاہ کی کُل بادشاہی سے بے انداز حد تک بڑی، اعلیٰ وارفع ہے،

اللہ تبارک و تعالیٰ ایسا سلطان ہے جسکی سلطنت کے انتہائی چھوٹے سے ذرے میں سارے ہی سلطانوں کی سلطنتیں کھو جاتی ہیں،

لیکن اس کے باوجود اُس کے بندوں کو، اُس تک رسائی کے لیے کسی واسطے، کسی وسیلے، کسی پیشگی وعدے (Appointment) کی ضرورت نہیں، کسی خاص وقت کی پابندی نہیں، بلکہ جب اُس کا بندے چاہے اپنے دل، دماغ اور رُوح کی حاضری کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ اپنے رب کی طرف بلند کرے اور اپنی حاجتیں پیش کر دے، وہ سنتا ہے، قبول کرتا ہے،

اور یہ خوش خبری بھی بھیجی کہ ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ حَيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا...﴾ بے شک تم

لوگوں کا رب تبارک و تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہنے والا (اور) حیاء کرنے والا، بہت عطاء فرمانے والا ہے، جب اُس کا کوئی بندہ (دُعاء کرتے ہوئے) اپنے دونوں ہاتھ اللہ کی طرف اٹھاتا ہے تو اللہ اپنے بندے سے حیاء کرتا ہے کہ اُس بندے کے ہاتھوں کو خالی پلٹا دے ﴿سنن ابو داؤد/ حدیث 1490/ کتاب الوتر/ باب 23، صحیح ابن حبان

احديث 876/ کتاب الرقائق/ باب الادعية، ایک دو لفظ کے فرق کے ساتھ سنن الترمذی/ حدیث 3904/ کتاب الوتر/ باب 121، ہام الالبانی رحمہ اللہ نے صحیح قرادیا، تو پھر کس قدر جہالت اور نقصان والا کام ہے کہ کوئی بندہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان لوگوں اور چیزوں کو واسطے اور وسیلے بنائے، اور کسی کے بارے میں یہ سوچے وہ اُس کے اور اللہ کے درمیان واسطہ ہے، وسیلہ ہے، اور یہ سوچے کہ واسطے اور وسیلے کے بغیر اُس کی دُعاء اللہ تک نہیں پہنچ سکتی، یا یہ کہ واسطے اور وسیلے کے بغیر دُعاء قبول نہیں ہو سکتی ہے، ایسی سوچ رکھنے والا بے چارہ یہ نہیں سمجھ پاتا کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بیان فرمودہ اس قاعدے، اس قانون کا انکار کر رہا ہے کہ ﴿فَإِنَّ قَرِيبًا أَجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ :: تَوْقِينًا﴾ میں قریب ہوں، جب کوئی پکارنے والا (صرف) مجھے پکارتا ہے تو میں اُس کی پکار کا جواب دیتا ہوں (یعنی قبول کرتا ہوں) ﴿﴾،

اور کفر و شرک پر مبنی سوچوں اور افکار کا شکار ہو رہا ہے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ، اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو حق پہچاننے، ماننے، اپنانے اور اُسی پر عمل پیرا رہتے ہوئے اُس کے سامنے حاضر ہونے والوں میں سے بنائے، محترم قارئین، ذرا یہ بھی سوچیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بیان فرمودہ اس قاعدے سے لاعلمی بندے کے لیے کس قدر بڑے نقصانات کا سبب ہے، کہ وہ اپنے ہمیشہ سننے اور قبول کرنے والے خالق اور مالک کو چھوڑ کر اُس کی مخلوق کا سوالی بنا رہتا ہے، اپنے اور اپنے رب تعالیٰ کے درمیان اپنے نفس، اپنی گمراہی، اپنی جہالتوں کو لا کھڑا کرتا ہے، اور اپنی آخرت تباہ کرتا رہتا ہے، بلکہ بسا اوقات تو

آخرت سے پہلے دُنیا کی رسوائی بھی پاتا ہے،

إمام ابن قیم رحمہ اللہ کا فرمان ہے :::

"" "وقد أجمع العارفون على أن كل خير فأصله بتوفيق الله للعبد وكل شر فأصله خذلانه لعبدہ وأجمعوا أن التوفيق أن لا يكلت الله نفسك وأن الخذلان أن يخلي بينك وبين نفسك فإذا كان كل خير فأصله التوفيق وهو بيد الله إلى نفسك وأن لا بيد العبد فمفتاحه الدعاء والافتقار وصدق اللجأ والرغبة والرهبة اليه فمتي أعطى العبد هذا المفتاح فقد أراد أن يفتح له ومتي أضله عن المفتاح بقى باب الخير مرتجداً دونه :::: عارفین کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمار خیر کی بنیاد اللہ کی طرف سے بندے کو توفیق عطاء ہونا ہے، اور تمام تر شر کی بنیاد اللہ کی طرف سے بندے کے لیے بے رُخی ہے، اور (اللہ کی عطاء کردہ) توفیق یہ ہوتی ہے کہ اللہ تمہیں تمہارے نفس کے حوالے نہ کرے، اور بے رُخی یہ ہے کہ اللہ اُس کے اور تمہارے درمیان تمہارے نفس کو داخل کر دے، پس ہر خیر کی بنیاد (اللہ کی عطاء کردہ) توفیق ہے، اور یہ (توفیق عطاء کرنا) صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، کسی بندے کے ہاتھ میں نہیں، اور اس (توفیق کو حاصل کرنے) کی چابیاں (اللہ سے) دُعا کرنا، (اللہ کے سامنے اپنی) کمزوری اور عجز و انکسار کا اقرار، اور اللہ طرف پناہ طلب کرنے میں سچائی، اُس کی طرف رغبت، اور اُس سے ڈرنا ہیں، لہذا جب کسی بندے کو یہ چابیاں دے دی جاتی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ نے اُس بندے کو توفیق عطاء کرنے کا فیصلہ فرما لیا ہے، اور جب اللہ کسی بندے کو ان چابیوں سے دُور کر دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خیر کا

دروازے اُس بندے سے دُور ہو گیا ہے ""، الفوائد/قاعدةُ أساس کل خیر اُن تعلم اُن ما شاء الله کان وما لم،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے دوسرے بلا فصل خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ وارضاه فرمایا کرتے تھے کہ "" اِنِّی لَا اَحِیْلُ هَمَّ الْاِجَابَةِ، وَاِنَّبَا اَحِیْلُ هَمَّ الدُّعَاءِ، وَلَکِنْ اِذَا اُلْهِنْتُ الدُّعَاءَ فَاِنَّ الْاِجَابَةَ مَعَهُ... مجھے قبولیت کی فکر نہیں ہوتی، بلکہ مجھے دُعاء کرنے کی توفیق ملنے کی فکر ہوتی ہے، کیونکہ اگر مجھے دُعاء کرنے کی توفیق عطاء ہوئی تو یقیناً قبولیت اُس کے ساتھ ہوتی ہے ""،

امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ وارضاه کی یہ بات اُن کے ایمان کامل اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات و صفات کی پہچان کے بہت سے دلائل میں سے ایک دلیل ہے اور ہم سب کے لیے یہ سبق رکھتی ہے کہ اگر ہم میں سے کسی کو اللہ سُبحانہ و تعالیٰ اُس سے دُعاء کرنے کی توفیق عطاء فرماتا ہے تو اُس بندے کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ دُعاء کرنے کی اس توفیق کے ساتھ اس دُعاء کی قبولیت بھی ہے، اور وہ قبولیت کسی صورت میں ہوگی وہ اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا،

اللہ جلّ و علا ہم سب کو صرف اور صرف اُس سے، اور اُس کے اور اُس کے رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے مقرر کردہ طریقوں کے مطابق، دُعاء کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور اُس کے ماسوا سے دُعاء کرنے کے شر سے محفوظ رکھے۔ والسلام علیکم۔

قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،،، چھٹا قاعدہ 6

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّبِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ
وَالصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ
وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ، أَمَا بَعْدُ :::

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلَةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ
لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ
اتَّقَى وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ :: (اے محمد)
لوگ آپ سے نئے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ یہ گھنٹا بڑھتا کیوں ہے)
آپ فرمائیے، نیا چاند لوگوں کے لیے تاریخوں اور حج کا تعین کرنے کے لیے ہے، اور
یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ کہ تم لوگ (احرام کی حالت میں ہوتے ہو تو) گھروں میں
پیچھے کی طرف سے داخل ہوتے ہو، بلکہ نیکی تقویٰ اختیار کرنے میں ہے، اور
گھروں میں ان کے دروازوں کی طرف سے داخل ہوا کرو، اور اللہ (کی ناراضگی اور
عذاب) سے بچو تاکہ تم لوگ کامیابی پاسکو ﴿سُورَةُ الْبَقَرَةِ (2) / آیت 189،

اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ مذکورہ بالا فرمان ہمارے موضوع "قرآن میں بیان کردہ
قواعد (اصول، قوانین)" میں چھٹے (6) قانون کے طور پر بیان کیا جا رہا ہے،
اس مذکورہ بالا آیت شریفہ میں بھی اللہ جلّ وعلّانے لوگوں کے ایک سوال کا ذکر
فرما کر اس کا جواب عطاء فرمایا ہے، سابقہ مضمون میں لوگوں کی طرف سے پوچھے
جانے والے سوالات کے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جوابات دینے کے

اسلوب کے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے،

اس آیت مبارکہ میں جو قاعدہ، جو قانون بیان فرما گیا ہے، جسے ہم ان شاء اللہ اس مضمون میں سمجھیں گے وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ﴿وَأَتُوا النُّبُوتَ مِنْ آبَائِهِمْ﴾: اور گھروں میں اُن کے دروازوں کی طرف سے داخل ہوا کرو ﴿اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمودہ یہ قاعدہ، اسلام سے پہلے لوگوں کے ایک ایسے کام کے بارے میں ہے، جو جو لوگوں نے کسی دلیل کے بغیر کے اپنی طرف سے بنا اور اپنا رکھا تھا اور جسے اُن لوگوں نے ایک عبادت کے ساتھ جوڑ رکھا تھا، جس طرح کہ اب ہم مسلمانوں میں بھی لوگوں نے بے حد و شمار ایسے کام ایجاد کر رکھے ہیں جن کی کوئی دلیل نہیں اور اُن کاموں کو مختلف عبادات کے ساتھ نتھی کر رکھا ہے، ایسے کاموں کو ہم شریعت اسلامیہ میں بدعات کے نام سے جانتے ہیں، اسلام سے پہلے والے کافروں کے جس کام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کام میں انکار فرمایا ہے وہ کام یہ تھا کہ جب وہ لوگ حج یا عمرے کے لیے احرام کی حالت میں داخل ہو جاتے تو پھر اپنے گھروں میں سامنے والے دروازوں کے ذریعے داخل نہیں ہوتے، بلکہ پچھلے دروازوں یا پیچھے کی طرف سے دوسرے کسی راستے کے ذریعے داخل ہوتے،

اور یہ کام وہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ کر حج کے کاموں میں، احرام کے کاموں میں سمجھ کر کرتے تھے، اور اس کام کو نیکی سمجھتے تھے،

چونکہ یہ کام اُن لوگوں کا اپنا بنایا ہوا تھا، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم، کوئی دلیل مہیا نہیں فرمائی گئی تھی، اس لیے اللہ جلّ جلالہ نے اُن لوگوں

کے اس کام کے بارے میں حکم صادر فرمادیا کہ یہ کام نیکی نہیں ہے،
بلکہ تقویٰ کے خلاف ہے،

((اس آیت شریفہ کے نازل ہونے کا یہ سبب البراء بن عازب رضی اللہ عنہ نے
ذکر کیا ہے، صحیح بخاری حدیث 4512/ کتاب التفسیر/ باب 29))

قارئین کرام، شاید آپ صاحبان یہ سوچیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس
فرمان ﴿وَأَتُوا الْبَيْوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾: اور گھروں میں اُن کے دروازوں کی
طرف سے داخل ہوا کرو میں تو اہل جاہلیت کے ایک کام کا انکار ہے، اور انہیں
اُس کام سے باز رہنے کا حکم فرمایا گیا ہے، اور بس، اس فرمان میں کوئی قاعدہ، کوئی
قانون کہاں ہوا؟؟؟

آئیے، اس سوال کے جواب جاننے اور سمجھنے کے لیے ہم اُمت کے علماء کرام رحمہم
اللہ و حفظہم کی بیان کردہ مختلف تفاسیر کے حاصل کلام کا مطالعہ کرتے ہیں،
اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک میں، اللہ جلّ و علا کا قُرب حاصل کرنے کے سب
سے بڑے ذریعے، اللہ کی عبادت کے بارے میں یہ قاعدہ، قانون صادر فرمایا گیا
ہے کہ کسی عبادت میں اپنی طرف سے کوئی کام (قولی ہو یا فعلی یا اعتقادی) شامل
کرنا، اور وہ کام کرنا یا کروانا قطعاً کوئی نیکی نہیں، بلکہ گناہ ہے،

پس جو کوئی اللہ تبارک و تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنا چاہتا ہے، اور اللہ کی جنت میں جا
بسنا چاہتا ہے، اُس کے لیے اسی ذریعے کو، اللہ تعالیٰ کے احکام کے عین مطابق
اپنانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، لہذا اپنی طرف سے بنائے گئے کاموں کو چھوڑ کر
صرف وہ کام کیے جانا لازم ہے جن کاموں کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود یا اپنے خلیل

رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے ذریعے اجازت عطاء فرمائی ہو، اور خوب یاد رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے بتائے ہوئے طور طریقوں کو چھوڑ کر کچھ بھی اور اپنانے کی صورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہوتی، لہذا یقینی طور پر اللہ کی رضا کا حصول ناممکن ہو جاتا ہے، بلکہ اللہ کی ناراضگی مول لی جاتی ہے ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَّا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا...﴾ جس کسی نے رسول کی تابع فرمائی کی تو (درحقیقت) اُس نے اللہ کی (ہی) تابع فرمائی کی، اور جس کسی نے (رسول کی تابع فرمائی سے) منہ موڑا تو (ہم خود ہی اُن لوگوں سے نمٹ لیں گے، اور آپ بے فکر رہیے کہ) ہم نے آپ کو اُن لوگوں پر نگران بنا کر نہیں بھیجا ﴿سُورَةُ النِّسَاءِ (4) آیت 80﴾،

امام ربانی ابن القیم رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ "" فالوصول إلى الله وإلى رضوانه بدون محال، وطلب الهدى من غيره هو عين الضلال، وكيف يُوصل إلى الله من غير الطريق التي جعلها هو سبحانه مُوصلة إليه؟ ودالة لمن سلك فيها عليه؟ بعث رسوله بها مُنَادِيًا، وأقامه على أعلامها داعيًا، وإليها هاديًا، فالباب عن السالك في غيرها مسدود، وهو عن طريق هداة وسعادته مسدود، بل كلما ازداد كدحاً واجتهاداً: ازداد من الله طرداً وإبعاداً:: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم (کی تابع فرمائی) کے بغیر اللہ اور اُس کی رضا کو پانا ناممکن ہے، اور اللہ کے علاوہ کسی اور سے ہدایت طلب کرنا یقینی گمراہی ہے، اور جو راستہ اللہ نے اُس تک پہنچنے کا مقرر کر رکھا ہے، جو راستہ اُس پر چلنے والے کو اللہ تک لے جاتا ہے، بھلا کوئی اللہ تک اُس مقرر کردہ راستے کو چھوڑ کر کیسے پہنچ سکتا ہے؟ اللہ نے

اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو اُس راستے کا اعلان کرنے والا بنا کر بھیجا، اور اللہ نے اُن صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو اُس راستے کی نشانیوں کی دعوت دینے والا بنا کر بھیجا، اور اُسی راستے کی طرف ہدایت دینے والا بنا کر بھیجا، پس کسی بھی اور راستے پر چلنے والے کے لیے (اللہ تک پہنچنے کا) دروازہ بند ہے، اور وہ شخص اللہ کی ہدایت اور خوش نصیبی والی راہ سے دُور ہے، بلکہ وہ شخص (کسی بھی اور راستے پر چلنے کیلئے) جس قدر مشقت اور اجتہاد کرے گا اُسی قدر اللہ کی طرف سے دھتکارے جانے اور دُور کیے جانے میں بڑھاوا پائے گا۔"۔"، مقدمہ / تہذیب السنن، پس محترم قارئین خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے اور اُس سے زیادہ اچھی طرح یاد رکھیے کہ،

جو لوگ رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے احکام و فرامین کو چھوڑ کر دوسروں کی باتیں اور دعوے مان کر اُن دوسروں کے اور اپنے بنائے کاموں کو نیکی سمجھ کر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اُن پر اکساتے ہیں اُن لوگوں کو یہ سمجھ جانا چاہیے کہ وہ لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی نافرمانی کر کے کسی بھی طور اللہ کی تابع فرمانی کرنے والوں میں شامل نہیں ہو سکتے خواہ جس کی بات وہ مان رہے ہیں کوئی بھی ہو،

.....: ہمارے زیر مطالعہ آیت کریمہ ﴿وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾ :: اور

گھروں میں اُن کے دروازوں کی طرف سے داخل ہوا کرو ﴿﴾ میں بیان فرمائے گئے قاعدے، قانون کا اطلاق شریعت کے احکام میں حیلے بازی اور باطل تاویلات کا دروازہ بھی بند کرتا ہے، کیونکہ شریعت کے احکام میں حیلے بازی اور اُن کی باطل

تاویلات کرنے والا اُن احکام کے دروازوں سے داخل ہونے کے بجائے ادھر ادھر کے راستوں سے داخل ہو کر انہیں کچھ کا کچھ بنانے کی کوشش کرتا ہے، جو اس آیت شریفہ میں ذکر فرمودہ قاعدے کی خلاف ورزی ہے، اور حرام کام ہے،

امام ابن القیم رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ ""فَاسْتَبِيحَتْ بِحِيلِهِمُ الْفُرُوجُ، وَأَخَذَتْ بِهَا الْأَمْوَالُ مِنْ أَرْبَابِهَا فَأُعْطِيَتْ لِغَيْرِ أَهْلِهَا، وَعُظِّلَتْ بِهَا الْوَاجِبَاتُ، وَضُبِّعَتْ بِهَا الْحَقُوقُ، وَعَجَّجَتْ الْفُرُوجُ وَالْأَمْوَالُ وَالْحَقُوقُ إِلَى رَبِّهَا عَجِيجًا، وَضَجَّتْ مِمَّا حَلَّ بِهَا إِلَيْهِ ضَجِيجًا، وَلَا يَخْتَلِفُ الْمُسْلِمُونَ أَنْ تَعْلِيمَ هَذِهِ الْحِيلِ حَرَامٌ، وَالْإِفْتَاءُ بِهَا حَرَامٌ، وَالشَّهَادَةُ عَلَى مَضْمُونِهَا حَرَامٌ، وَالْحُكْمُ بِهَا مَعَ الْعِلْمِ بِحَالِهَا حَرَامٌ :: اُن (حیلے بہانے، اور باطل تاویلات کرنے والوں) کے حیلوں سے شر مگاہیں حلال کی گئیں، اور لوگوں کا مال اُن سے لے کر انہیں دیا گیا جو اُس مال کے حق دار نہ تھے، اور واجب کام روک دیے گئے، اور حقوق ضائع کر دیے گئے، اور شر مگاہوں، اموال اور حقوق نے اپنے رب کی طرف پکار کی، اور جن چیزوں کو حیلوں (اور باطل تاویلات) کے ذریعے حلال کیا گیا انہوں نے اللہ کی طرف اپنی چیخیں بلند کیں، اور مسلمانوں میں اس معاملے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ ایسی حیلے بازیوں (اور باطل تاویلات) کو سیکھنا حرام ہے، اور اُن کے مطابق فتوے دینا حرام ہے، اور اُن کے ذریعے بیان کی گئی باتوں (کی درستگی) کے لیے گواہی دینا حرام ہے، اور اُنکی حقیقت جانتے ہوئے اُن کی بناء پر فیصلہ کرنا حرام ہے ""، اعلام المعوقین / أَقْسَامِ الْحِيلِ وَمَوَاتِنِهَا / الْقِسْمُ الْأَوَّلُ مِنَ الْحِيلِ،

قارئین کرام، اب آپ ذرا اپنے ارد گرد پائے جانے والے اُن لوگوں کو پہچانیے جو

شخص کی طرح مخاطب کریں،

کسی بھی شخص کے ساتھ بات کرنے کا دروازہ اُس کے شخص کے مقام کے مطابق ہوگا، اور اگر ہم اُس دروازے میں سے داخل ہو کر بات کریں گے تو اس قاعدے پر عمل کرنے والے ہوں گے، اور اگر اُس دروازے میں داخل ہو کر بات کرنے کی بجائے کسی اور طرف سے اس قاعدے کی خلاف ورزی کرنے والے ہوں گے،

.....: اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد فرمائے ہوئے اس قاعدے کے نافذ کیے جانے اور نافذ ہونے کے مقامات صرف وہی نہیں ہیں جو میں نے ابھی ذکر کیے ہیں بلکہ ہماری زندگیوں کے تقریباً سب ہی معاملات میں اس قانون کا نفاذ کیا جاسکتا ہے، اس بات کی وضاحت سے پہلے میں امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کی بہترین کتابوں میں سے ایک "صید الخاطر" میں سے اُن رحمہ اللہ کی چند باتیں ذکر کرنا چاہتا ہوں، امام صاحب رحمہ اللہ نے لکھا "....." ایک شخص نے مجھے اُس کی بیوی کے بارے میں اُسکے بغض (غصے اور نفرت) کے بارے میں بتایا، اور پھر یہ بھی کہا کہ، کچھ وجوہات کی بناء پر میں اپنی بیوی کو چھوڑ بھی نہیں سکتا، اُن وجوہات میں سے ایک تو یہ ہے کہ اُس بیوی کا مجھ پر بہت قرض ہے اور میں کم صبر و ہمت والا ہوں، شکوہ شکایت کرنے میں، اور ایسی بات کرنے میں بمشکل ہی اپنی زبان کی لڑکھڑاہٹوں سے بچتا ہوں جن کے ذریعے میری بیوی اُس کے بارے میں میرا بغض جان سکے، میں نے اُس شخص سے کہا،،، ایسا کرنا فائدہ مند نہیں، بلکہ گھروں میں اُن کے دروازوں سے داخل ہوا جاتا ہے، لہذا چاہیے یہ کہ تم اپنے نفس کے ساتھ تنہائی اختیار کرو (اور اپنے اعمال کا جائزہ لو) تو تم جان لو گے کہ وہ عورت تم پر تمارے

گناہوں کی وجہ سے مسلط کی گئی ہے، پس تم بہت ہی کثرت کے ساتھ (اللہ کے سامنے) معذرت اور توبہ کرو، (اسی میں تمہیں فائدہ ہوگا) رہا معاملہ اُس عورت کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے یا کوئی تکلیف دینے کا تو ایسا کر کے تمہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا،

جیسا کہ (امام) حسن البصری (رحمہ اللہ) نے لوگوں سے حجاج بن یوسف کے بارے میں کہا کہ "عُقُوبَةُ مِنَ اللَّهِ لَكُمْ، فَلَا تُقَابِلُوا عَقُوبَتَهُ بِالسَّيْفِ، وَقَابِلُوهَا بِالِاسْتِغْفَارِ :: اللہ کی طرف سے تم لوگوں کے لیے سزا ہے، لہذا تم لوگ اللہ کی سزا کا سامنا تلوار کے ساتھ مت کرو بلکہ استغفار کے ساتھ کرو"،

اور جان لو کہ تم امتحان والے مقام میں ڈال دیے گئے ہو، اور اگر تم صبر کرو گے تو اُس پر ثواب پاؤ گے (یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے) اور عین ممکن ہے کہ تم لوگ کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لیے خیر ہو،

لہذا تم اللہ کے فیصلوں پر اُس کے ساتھ صبر والا معاملہ کرو، اور اللہ سے سوال کرے کہ تمہیں اس امتحان سے نکالے، اور اگر تم نے گناہوں سے توبہ اور استغفار کرنے، اور (اللہ کے) فیصلوں پر صبر کرنے، اور نجات طلب کرنے کو جمع کر لیا تو تم نے عبادت کے تین فن حاصل کر لیے، اور ہر ایک پر تمہیں ثواب ملے گا،

(ان کاموں کے علاوہ) کسی اور کام میں اپنا وقت ضائع مت کرنا، اور نہ اس خام خیالی میں مبتلا ہونا کہ تم وہ کچھ دُور کر سکتے ہو جو کچھ مقدر کر دیا گیا ہے،

رہا معاملہ اُس عورت کو اذیت دینے کا تو اُس کا تمہارے لیے کوئی جواز نہیں، کیونکہ وہ عورت تو تم پر مسلط کی گئی ہے، لہذا تم اپنی توجہ (اُس عورت کو اذیت دینے کی بجائے) دوسری طرف (یعنی جو کچھ تمہیں سمجھایا گیا ہے اُس طرف) لگاؤ، (یہ بھی

سنتے چلو کہ) کچھ بزرگوں کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ، اگر انہیں کوئی کچھ بُرا یا سخت کہتا تو وہ اپنی گال زمین پر رکھ دیتے اور دُعاء کرتے کہ، اے اللہ میرا وہ گناہ معاف فرما دے جس کی وجہ سے تُو نے اِس شخص کو مجھ پر مُسلط کیا ہے""، صید الخاطر / فصل بین النفس والناس ،

یہ باتیں اور یہ قصہ بیان کرنے کا مقصد آپ صاحبان کی توجہ اِس طرف مبذول کروانا تھا کہ اُمت کے ایک عظیم عالی شان اِمام رحمہ اللہ نے، الہ جلّ جلالہ کے بیان کردہ قاعدے کو یعنی ﴿وَأَتُوا الْبَيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾: اور گھروں میں اُن کے دروازوں کی طرف سے داخل ہوا کرو﴿ کو، ایک فرد کی معاشرتی زندگی کے مسائل حل کرنے میں نافذ و لاگو قرار دیا ہے،

جس سے ہمیں یہ سمجھ آتا ہے کہ یہ قاعدہ، یہ قانون کسی ایک یا چند ایک معاملات سے متعلق نہیں، بلکہ ہماری زندگی کے تقریباً سب ہی معاملات پر اِس کا اطلاق ہوتا ہے،

ہماری بڑی مشکلات میں سے ایک مشکل یہ بھی ہے کہ ہم اللہ کے کلام پاک قرآن مجید کو اُس طرح نہیں سمجھتے جس طرح سمجھنا چاہیے اور اگر کچھ اُس طرح سمجھ بھی لیں تو اُس میں مقرر کردہ قواعد و قوانین کا نفاذ نہیں کرتے یا نہ ہونے کے برابر کرتے ہیں،

جب کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم اپنی تمام تر مشکلات کا حل اللہ کی کتاب قرآن حکیم، اور اللہ کے خلیل، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی صحیح ثابت شدہ سُنّت مبارکہ میں تلاش کریں، اور قرآن کریم میں بیان کردہ تمام قواعد و قوانین کو

اللہ کی مُراد کے مطابق سمجھیں، جو کہ صحیح ثابت شدہ سنت شریفہ کی راہنمائی لیے بغیر ممکن نہیں،

اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے اِس فرمان مُبارک پر عملی ایمان کا مظاہرہ کرتے ہی رہیں کہ ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ...﴾ یقیناً یہ قرآن اُس راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے جو سب سے سیدھی اور صاف ہے ﴿سُورَةُ الْاِسْرَاءِ﴾ (بنی اسرائیل 17) / آیت 9،

بلاشک و شبہ اللہ جلّ ثناؤہ کے تمام تر فرامین حق ہیں، اب اگر ہمیں اُن کی سمجھ نہ آ سکے یا وہ ہماری ہدایت کا سبب نہ بن سکیں تو یہ ہماری بد بختی ہے، جسے پہچاننا اور جاننا چاہیے اور پھر اُس سے بچنے کی پھر پور کو ششیں کرتے ہی رہنا چاہیے، اور اِس پر غیر متزلزل ایمان رکھنا ہی چاہیے کہ ﴿یقیناً یہ قرآن اُس راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے جو سب سے سیدھی اور صاف ہے﴾،

اور یہ کہ اللہ کی یہ مُبارک اور مکمل محفوظ کتاب، اللہ کے حکم سے ہماری زندگیوں کے تمام معاملات میں وہ راہ دکھاتی ہے، بجھاتی ہے جو سب سے راہوں سے صاف اور سیدھی ہوتی ہے،

لہذا اپنے معاملات، اپنی مشکلوں کے حل ہمیں اللہ کی اِس کتاب میں سے ہی تلاش کرنا چاہیں، خواہ وہ معاملات اور مشکلیں عقائد سے متعلق ہوں، عبادات سے متعلق ہوں، معاشرت سے متعلق ہوں، اقتصاد اور سیاست وغیرہ سے متعلق ہوں، بیماریوں اور علاج سے متعلق ہوں، نہ کہ اِس قسم کی خرافات کا شکار ہو جانا چاہیے کہ اب زمانہ بدل چکا ہے، موجودہ دور کے معاملات اور مشکلوں کے حل اب قرآن و

حدیث کے مطابق نہیں ہو سکتے وغیرہ، وغیرہ،
اللہ سُبحانہ و تعالیٰ ہم سب کو، اور ہمارے ہر کلمہ گو بھائی اور بہن کو یہ توفیق عطاء فرمائے کہ ہم اللہ کی اس آخری، مکمل اور محفوظ ترین کتاب کو اللہ کی مُراد کے مطابق سمجھ سکیں، اللہ کی رضا کے مطابق اُس پر عمل کر سکیں، اور اس کے نور سے اپنی دینی، دُنیاوی اور اُخروی زندگیوں کو منور کر سکیں۔ والسلام علیکم۔

﴿ قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین) ،،،، ساتواں قاعدہ 7 ﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّیِّعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ
و الصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ مُحَمَّدٍ وَّ عَلَى آلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَاَزْوَاجِهِ وَاَمَن
تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ، اَمَّا بَعْدُ ::
اِنْ شَاءَ اللّٰهُ ، آج ہم قرآن کریم میں بیان کردہ ایک ایسے قاعدے، ایک ایسے قانون
کا مطالعہ کریں گے جو قاعدہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک بہت اہم
تعلق کے بارے میں فیصلہ لیے ہوئے ہے،

وہ قاعدہ اللہ جلّ و علا نے اپنے اس فرمان میں بیان فرمایا ہے کہ ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ
خَیْرٍ یَّعْلَمُهُ اللّٰهُ :: اور تم لوگ جو کچھ بھی خیر میں سے کرتے ہو، اللہ اُس کا علم
رکھتا ہے﴾ سُورت البقرہ (2)/آیت 197،

اللہ سُبحانہ و تعالیٰ نے یہ فیصلہ کن قانون حج کے احکام سے متعلق آیات میں ارشاد
فرمایا ہے، کہ ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَةٌ فَمَنْ فَرَضَ فِیْھِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثٍ

وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ
 اللَّهُ تَزِدُّوا فَانَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ :: حج کے
 مہینے سب کو معلوم ہیں، جو شخص ان طے شدہ مہینوں میں حج کا ارادہ کر لے تو (وہ
 خوب اچھی طرح سے جان رکھے کہ وہ) حج کے دوران کوئی شہوت والا کام، کوئی
 بُرا کام (کوئی گناہ)، اور کوئی لڑائی جھگڑا نہیں (کرے گا)، اور تم لوگ جو کچھ بھی
 خیر میں سے کرتے ہو، اللہ اُس کا علم رکھتا ہے، اور (راستے کا) سامان ساتھ رکھو،
 اور سب سے بہتر سامان پرہیز گاری ہے، لہذا، اے عقل والو، مجھ سے (یعنی میرے
 غصے اور عذاب سے) بچو، ﴿۱﴾

اس قاعدے قانون کے بارے میں کچھ سمجھنے سے پہلے، ان شاء اللہ، ہم اس قانون
 کے ذکر والی مذکورہ بالا آیت شریفہ کا معنی و مفہوم سمجھتے ہیں، کہ ان شاء اللہ اس
 طرح ہمیں اس قاعدے کا معنی اور مفہوم سمجھنے میں آسانی رہے گی،

.....: اس آیت شریفہ میں، اور اس سے پہلے اور بعد والی کچھ آیات مبارکہ میں
 حج سے متعلق احکام اور آداب کا بیان ہوا ہے، جن میں سے، اس آیت شریفہ میں
 تین کاموں سے منع فرمایا گیا،

- (1) " " " " رفث " " " یعنی ہم بستری، جنسی ملاپ، اور اُس کی ابتداء کے لیے کی
 جانے والی تمام حرکات و سکنات اور باتیں، خاص طور پر عورتوں کی موجودگی میں،
- (2) " " " " فسوق " " " فسق کی جمع ہے، اور ہر گناہ اور شرعی طور پر ممنوع کام فسق
 ہے، جن میں احرام کی حالت میں ممنوع ہو جانے والے کام بھی شامل ہیں،
- (3) " " " " جدال " " " ہر وہ لڑائی، جھگڑا، قتال، وغیرہ، جس کی وجہ سے گناہ اور

شر کو تقویت ملے، اُس میں اضافہ ہو،

وہ لڑائی خواہ زُبانی ہو یا جسمانی، صرف ہاتھ پاؤں کے ذریعے ہو یا کسی قسم کے اسلحے، ہتھیار، یا کسی قسم کے آلات وغیرہ کے ذریعے سے ہو،

.....: اللہ جلّ جلالہ نے ان برائیوں سے منع کرنے کے ساتھ اپنے ایمان والے بندوں کو یہ سمجھایا کہ وہ اپنے بندوں کے تمام تر نیک کاموں کا علم رکھتا ہے،

اس خبر میں یہ ضمانت ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کو اُن کے نیک کاموں کا پورا پورا اجر و ثواب عطاء فرمائے گا، ورنہ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں کے سارے ہی کاموں کا علم رکھتا ہے خواہ وہ خیر والے کام ہوں یا شر والے،

پس اس خبر کے ذریعے اللہ جلّ و علانے اپنے ایمان والے بندوں کو نیک کام کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے یہ یقین دہانی کروائی ہے کہ انہیں اُن کے نیک کاموں کے اجر و ثواب کے بارے میں ڈرنا نہیں چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کاموں کا علم رکھتا ہے لہذا وہ اپنے فرامین کے مطابق اُن نیک کاموں کا پورا پورا اجر و ثواب عطاء فرمائے گا، (ماخوذ من تفسیر ابن کثیر)،

.....: اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ...﴾ اور تم لوگ جو

کچھ بھی خیر میں سے کرتے ہو ﴿﴾ خیر کے تمام تر کاموں کو شامل فرما دیا ہے، چھوٹے ہوں یا بڑے، زیادہ ہوں یا کم ہوں،

.....: پھر اللہ جلّ شادہ نے آیت شریفہ کے اختتام میں دو بہت اہم معاملات کا ذکر فرمایا، اور وہ دو معاملات یہ ہیں :

.....: (1) ﴿وَتَزَوَّدُوا...﴾ اور (راستے کا) سامان ساتھ رکھو ﴿﴾، یعنی

اپنے سفر کے لیے ہر وہ چیز مہیا کر لو جو تمہارے جسم و جان، دل و روح کی ضروریات کو پورا کرنے والا اور تقویر پہنچانے والا ہو،

.....(2)..... ﴿فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾: اور سب سے بہتر

سامان پر ہیز گاری ہے ﴿﴾، اور پھر یہ سمجھایا کہ جسم و جان، دل و روح کی ظاہری و باطنی ضروریات اور تقویت کے لیے درحقیقت وہی چیزیں سب سے اچھی اور خیر والی ہیں جو تقویٰ کے مطابق ہوں، جو چیزیں تقویٰ کے مطابق نہیں ہوتیں وہ بظاہر ضروریات پوری کرنے والی یا تقویت پہنچانے والی تو سُبْحَانِی دیتی ہیں لیکن وہ خیر والی نہیں ہوتیں،

اور اس کے بعد یہ حکم فرماتے ہوئے آیت شریفہ کا اختتام فرمایا کہ ﴿وَاتَّقُونِ﴾
یَاوَلِیُّ الْاَلْبَابِ: اور سب سے بہتر سامان پر ہیز گاری ہے، لہذا، اے عقل والو، مجھ سے (یعنی میرے غصے اور عذاب سے) بچو ﴿﴾،

آیت شریفہ کے اس اختتامی حصے میں اللہ سُبحَانَهُ وُتَعَالٰی نے عقل والوں سے خطاب فرمایا ہے، جس سے ہمیں یہ سمجھ آتی ہے کہ تقویٰ کی پہچان، اور تقویٰ والے کاموں اور چیزوں کی سمجھ اور پہچان کر پانے والے، اور تقویٰ اور اُس کے معیار پر پورا اُترنے والی چیزوں اور کاموں کے فوائد جاننے والے لوگ ہی درحقیقت عقل والے ہیں، اور جو لوگ اُن چیزوں کو نہیں پہچانتے، نہیں جانتے، وہ لوگ خواہ کتنے ہی ذہین فطین اور عقل مند نظر آتے ہوں، اللہ کے ہاں عقل مند نہیں، بلکہ بیوقوف ہیں،

آیت کریمہ میں عمومی تدبیر کے بعد اب ہم اس میں بیان کردہ قاعدے، قانون کی

تفہیم کی طرف آتے ہیں،

اس قاعدے میں ہمیں کئی سبق ملتے ہیں، جن میں کچھ اہم اسباق درج ذیل ہیں،
: (1): اپنے ظاہر و باطن کو، اور ظاہری اور باطنی کاموں کو
 صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے خالص کیا جائے، یعنی صرف اللہ کی رضا
 اور خوشی حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے، کہ یہ اخلاص تقویٰ کے بنیادی اجزاء
 میں سے ہے،

یہاں یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ اخلاص کی بنا پر کیے جانے والے اعمال کی بڑی
 نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کام کرنے والے کو اس بات سے کوئی
 غرض نہیں ہوتی کہ کوئی دوسرا انسان اس کے اس کام کو جانتا ہے یا نہیں،
 بلکہ مخلص بندہ تو اپنا تعلق اپنے رب کے ساتھ مضبوط کرنے کے لیے اپنے نیک
 کاموں کو حتی الامکان دوسروں سے چھپائے رکھنے کی کوشش کرتا ہے، اور پھر اس
 تعلق کو بھی دوسروں سے چھپائے رکھنے کی پوری کوشش کرتا رہے،
 یہ کوششیں اخلاص کے اعلیٰ درجات میں سے ہیں، اور دل، رُوح اور نفس پر ان
 کے بے شمار فوائد مرتب ہوتے ہیں،

اس موضوع پر امام ابن القیم رحمہ اللہ نے کچھ ایسے ارشادات فرمائے ہیں جو سونے
 کے پانی سے لکھے جانے کے لائق ہیں، امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے
 "و کم من صاحب قلب و جمعیۃ و حال مع اللہ، قد تحدث بہا، وأخبر
 بہا، فسلبہ إیّاہا الأغیار، فأصبح یقلب کفیہ، ولہذا یوصی العارفون
 والشیوخ بحفظ السر مع اللہ، وأن لا یطلعوا علیہ أحدًا، ویتکتبون بہ

ہو جاتی ہیں، اور اُس شخص پر (اللہ سے تعلق میں کمزوری ہو جانے کی) کوئی آفت آن پڑنے کا اندیشہ نہیں رہتا تو پھر اگر وہ شخص اللہ کے ساتھ اپنے معاملات اور احوال کو اس لیے ظاہر کرے کہ لوگ اُس کی اقتداء کریں اور اُس کے ذریعے (لوگوں کے اللہ کے ساتھ تعلق کی) تکمیل ہو تو یہ کام بہت بڑے فائدے والا ہے، اور اس معاملے کو اس کا تجربہ رکھنے والے جانتے ہیں "" بدائع الفوائد 3/847 ط. عالم الفوائد۔

اور تقریباً یہی بات حقیقی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے فتاویٰ میں بھی ہے۔
آیت مبارکہ کے معانی و مفاہیم میں تدریس کے بعد، ان شاء اللہ اب ہم اس میں بیان کردہ قاعدے کی طرف آتے ہیں،

.....: اس قاعدے ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ...﴾ اور تم لوگ جو کچھ بھی خیر میں سے کرتے ہو، اللہ اُس کا علم رکھتا ہے﴾ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ایمان والے بندوں کو اُن کے نفوس کے اطمینان اور دلوں کی راحت کا بہت سا سامان عطا فرمایا ہے، جس میں سے کچھ کا ذکر میں نے کچھ دیر پہلے، تفسیر ابن کثیر کے حوالے سے کیا کہ،

"" اس قاعدے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ایمان والے بندوں یہ یقین دہانی کروائی ہے کہ انہیں اُن کے نیک کاموں کے اجر و ثواب کے بارے میں ڈرنا نہیں چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کاموں کا علم رکھتا ہے لہذا وہ اپنے فرامین کے مطابق اُن نیک کاموں کا پورا پورا اجر و ثواب عطا فرمائے گا ""،

اس کے بعد مزید یہ کہتا ہوں کہ "" کیونکہ اللہ جلّ ثناؤہ اپنی مخلوق پر احسان کرتا

ہے، اور احسان کرنے کے لیے وہ مخلوق کی طرف سے کسی قسم کی تعریف وغیرہ کا انتظار نہیں کرتا " " " "

پس جب کوئی ایمان والا ان حقائق کو سمجھ لیتا ہے تو اُس کا دل، اُس کی رُوح، اُس کا نفس اُسے نیک کام کرنے کی مشقت پر تنگ نہیں کر پاتے، اور وہ نیک کام کرنے کی بنا پر لوگوں کی طرف سے کیے جانے والے طُز و مزاح، اور طعن و تشنیع پر بھی آسانی سے صبر کر لیتا ہے، کیونکہ اُسے یہ یقین ہو چکا ہوتا ہے کہ اُس کا کوئی نیک کام اللہ کے ہاں ضائع ہونے والا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی شانِ عطاء کے مطابق اُس کام کا پھر پورا اجر و ثواب عطاء فرمائے گا،

میرے وہ بھائی اور بہن، جو لوگوں کے ساتھ احسان والا سلوک کرتے ہیں، اور اُن کے ساتھ نیکیاں کرتے ہیں اور لوگ اُن کا مذاق اُراتے ہیں، میں اپنے ایسے بھائیوں اور بہنوں کے لیے حقیقی شیخ الاسلام امام احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام کا کچھ حصہ پیش کرتا ہوں، جو اسی معاملے کے بارے میں ہے، امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: :::

" " " " " وَلَا يَحْمِلَنَّكَ هَذَا عَلَى جَفْوَةِ النَّاسِ؛ وَتَزَكِ الْإِحْسَانِ إِلَيْهِمْ؛ وَاحْتِمَالِ الْأَذَى مِنْهُمْ؛ بَلْ أَحْسِنِ إِلَيْهِمْ بِاللَّهِ لَا لِوَجَائِهِمْ؛ وَكَمَا لَا تَخْشَهُمْ فَلَا تَرْجُهُمْ؛ وَخَفِ اللَّهَ فِي النَّاسِ وَلَا تَخَفِ النَّاسَ فِي اللَّهِ؛ وَارْجُ اللَّهَ فِي النَّاسِ وَلَا تَرْجُ النَّاسَ فِي اللَّهِ؛ وَكُنْ مِمَّنْ قَالَ اللَّهُ فِيهِ ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۚ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۖ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ﴿۝﴾ وَقَالَ فِيهِ ﴿إِنَّمَا نُنْطَعِمُكُمْ لَوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا﴾،

... ترجمہ: اور (لوگوں کی طرف سے مذاق کیے جانے اور) اُن کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچنے کا امکان تمہیں لوگوں کے ساتھ خشک مزاجی، اور احسان ترک کرنے پر مائل نہ کرنے پائے، بلکہ تم اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اللہ کے لیے نہ اُن لوگوں سے کوئی اُمید رکھتے ہوئے، جیسا کہ تم اُن ڈرتے نہیں اُسی طرح تم اُن سے اُمید بھی مت رکھو، اور لوگوں کے معاملات میں اللہ سے ڈرو، اور اللہ کے معاملات میں لوگوں سے مت ڈرو، اور لوگوں کے معاملات میں اللہ سے اُمید رکھو، اور اللہ کے معاملات میں لوگوں سے اُمید مت رکھو، اور اُن لوگوں میں سے بن جاؤ جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ ﴿اور تقویٰ والا اُس سے دُور رہے گا﴾ وہ جو کہ پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور جبکہ اُس کے پاس کسی کا کوئی احسان نہیں ہوتا جس کا اُس نے بدلہ دینا ہو سوائے اپنے بلندی والے رب کی رضا حاصل کرنے کے﴾ (سُورۃ اللیل / آیات 17 تا 20)،

اور اُن میں سے بنو جن کے بارے میں فرمایا ہے کہ (وہ نیکی کرتے ہوئے یہ نیت رکھتے ہیں کہ) ﴿اور ہم تو تم لوگوں کو صرف کی رضا حاصل کرنے کے لیے کھلاتے ہیں، ہمیں تم لوگوں سے کوئی بدلہ نہیں چاہیے اور نہ ہی کوئی شکر گزاری﴾ (سُورۃ الانسان / آیت 9) ""، مجموع الفتاویٰ / جلد 1 / قاعدہ فی توحید اللہ وإخلاص الوجه والعمل لہ / الاعتماد علی المخلوق مضرة،

یہ فرامین ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے قارئین کرام، کہ جو کوئی اللہ تبارک و تعالیٰ کے دیے ہوئے اس قرآنی قاعدے کو سمجھ جاتا ہے وہ ہمیشہ خیر کے کاموں کو مقدم رکھتا ہے، اور اُس کے لیے خیر کے کام کرتے ہوئے، اور اُن کاموں کے بدلے میں

لوگوں کی طرف سے ملنے والے طنز و مزاح، دُکھ، جفاء، اور پریشانیوں پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے،

کیونکہ وہ خیر کے کام اور نیکیاں، مکملِ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے اور صرف اللہ جلّ و علا سے ہی اُن نیکیوں پر اجر و ثواب کا یقین رکھتا ہے مخلوق میں سے کسی سے بھی کوئی فائدہ پانے کا خیال بھی رکھتا، حتیٰ کہ مخلوق میں سے کسی کی طرف سے کسی تعریف و ثناء کی اُمید بھی کرتا، بلکہ اپنی نیکیوں کو ایسے انداز میں کرتا ہے کہ مخلوق کو اُس کے بارے میں کم سے کم ہی خبر ہو،

اللہ سُبحانہ و تعالیٰ سے دُعاء ہے کہ وہ اُس کے لطف و کرم کے ساتھ ہم سب کو مکملِ اخلاص کے ساتھ نیک کام کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ والسلام علیکم۔

❖ قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)، آٹھواں قاعدہ 8 ❖

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمَزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَقْصِهِ
و الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
وَأَزْوَاجِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ، أَمَا بَعْدُ :::

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ عَسَىٰ
أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ :: اور اُمید

ہے کہ تم لوگ کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور (درحقیقت) وہ چیز تم لوگوں کے لیے خیر والی ہو، اور اُمید ہے کہ تم لوگوں کسی چیز کو پسند کرتے ہو اور وہ چیز تم لوگوں کے لیے شرّ والی ہو، اور اللہ (ہی زیادہ اور بہتر) جانتا ہے، اور تم لوگ نہیں جانتے ﴿سُورَةُ الْبَقَرَةِ (2) / آیت 216،

اور ارشاد فرمایا ہے ﴿فَعَسَىٰ أُن تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۚ﴾ پس اُمید ہے کہ تم لوگ کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اُس میں بہت زیادہ بھلائی دے دے ﴿سُورَةُ النِّسَاءِ (4) / آیت 19،

اِنْ شَاءَ اللّٰهُ، آج ہم قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول و ضوابط) میں سے ایک اور قاعدے کو سمجھیں گے، یہ قاعدہ (اصول، ضابطہ) بھی اللہ پاک کے ہر فرمان کی طرح انسانوں کی دینی، دُنیاوی اور اُخروی کامیابی، خیر اور بھلائی پر مشتمل ہے، چونکہ اِس عظیم اور مُبارک اصول کا ایمان کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد کے ساتھ گہرا ربط ہے، اور وہ بنیاد ہے "قضاء اور قدر پر ایمان رکھنا"،

[[[قضاء اور قدر کے بارے میں بھی الحمد للہ ایک مضمون نشر کر چکا ہوں]]]]
لہذا جو مُسلمان اِس اصول کو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق سمجھ لیتا ہے، اور اُس کے مطابق ہدایت حاصل کر لیتا ہے اُس مُسلمان کی زندگی پر اِس عالی شان اصول کا بہت زیادہ فوائد پر مشتمل اثر ہوتا ہے، یہ قاعدہ، اصول، ضابطہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے مذکورہ بالا فرامین مُبارکہ میں بیان فرمایا ہے،

پہلے فرمان مبارک میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر ہماری کسی ناپسندہ چیز میں ہمارے

لیے خیر ہونے کے امکان کی خبر دی ہے، اور دوسرے فرمان مبارک میں اللہ پاک نے اُس کی تفسیر کے طور پر یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ ایسے کسی بھی کام میں ہمارے لیے بہت زیادہ خیر (دُنیا اور آخرت، یادوں میں سے کسی ایک کی بھلائی) عطاء فرما سکتا ہے، اور دونوں ہی فرامین مبارکہ میں اس اصول کی تاکید فرمانے کی ساتھ ساتھ اس بات کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ معاملات کی حقیقت، اُنکے بارے میں مستقبل کی یقینی خبر اور اُن کے نتائج اللہ ہی جانتا ہے، ہم لوگ نہیں جانتے،

..... اجمالی مفہوم:

ان دو آیات مبارکہ میں بیان فرمائے گئے اصول کا مفہوم یہ ہے کہ :: انسان کی عادات میں سے ایک عادت جس کا سبب اُس کی کم علمی اور اللہ کی طرف سے مقرر کردہ قدر اور اللہ کی قضاء یعنی فیصلوں پر ایمان کی کمزوری ہے، اُس عادت کی بنا پر انسان کو جب کوئی ایسا معاملہ پیش آتا ہے جو اُس کے لیے پریشانی، یا غم، یا خوف، یا ذہنی طور پر، یا جسمانی پر، یا مالی طور پر نقصان وغیرہ کا سبب ہوتا ہے، تو وہ شور مچاتا ہے، شکوہ شکایت کرتا ہے، اُس کے دل و دماغ میں کچھ اس طرح کے خیالات آتے ہیں کہ جو کچھ اُس کے ساتھ ہوا ہے وہ اُس کے مستقبل، اُمیدوں، خوشیوں، حتیٰ کہ زندگی کے لیے بھی کسی بھلائی والا نہیں، کسی فائدے والا نہیں، بلکہ برائی، شدید نقصان یا خاتمے کا سبب ہے،

ایسی سوچ اُس انسان کی طرف سے اللہ سُبحانہ و تعالیٰ کی مقرر کردہ قدر اور صادر کردہ قضاء پر ایمان کی کمزوری کی نشانی ہی نہیں ہوتی، بلکہ معاذ اللہ بسا اوقات اعتراض کی صورت ہوتی ہے، جو کہ کفر میں داخل کر دینے کا پورا امکان رکھتی ہے،

اللہ ہم سب کو ایسی سوچوں اور ہر شرّ والی سوچ اور عمل سے محفوظ رکھے، جبکہ اس اصول میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ایسی سوچیں، جس پر وارد ہوتی ہیں اُسے یہ حقیقت سمجھنے کی طرف نہیں جانے دیتیں کہ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس شخص کو بہت زیادہ خیر عطاء فرما رہا ہو،

انسانی معاشرے کے مشاہدے سے یہ ثابت ہوتا چلا آ رہا ہے کہ کبھی تکلیف کے لباس میں اللہ کی طرف سے کوئی آسانی مل جاتی ہے، اور کبھی مُصیبت کی چادر میں اللہ کی طرف سے کوئی رحمت موجود ہوتی ہے، کتنے ہی لوگوں کے ساتھ یہ ہوتا رہا اور ہوتا ہے کہ انہیں ایسے کاموں میں فائدے میسر ہو جاتے ہیں جہاں سے وہ لوگ سوائے نقصان کے کسی اور چیز کی توقع ہی نہیں رکھتے،

اور جب معاملات اس کے برعکس ہوں تو، یعنی جب لوگ کسی چیز، کسی کام کو اپنے لیے بھلائی اور فائدے والا سمجھ کر وہ چیز حاصل کرنے، وہ کام کرنے میں خوب جدوجہد کرتے ہیں، اپنی قیمتی اور بہترین قوتیں اور چیزیں خرچ کرتا ہے، لیکن نتیجہ اُس کی توقع کے خلاف ظاہر ہوتا ہے،

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ان دو فرامین مبارکہ میں انہی دو معاملات کی حقیقت کے بارے میں سمجھایا ہے، جس کے نتیجے میں یہ مطلوب ہے کہ مُسلمان اپنے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہر تقدیر اور اپنے اللہ کے صادر کردہ ہر فیصلے پر دل و دماغ کی رضامندی رکھے، اور اس پر ایمان رکھے کہ جو کچھ اُس کا رب اسے دے رہا ہے اُسی میں اُس بندے کے لیے خیر ہے اور جو کچھ اُس کا رب اُس سے روک رہا ہے، اُس کے نہ ملنے میں ہی اُس بندے کے لیے خیر ہے، اور جو کچھ اُس کا رب اُس سے لے

رہا ہے اُس کے چلے جانے میں ہی اُس بندے کے لیے خیر ہے، اور جب کوئی بندہ اس پر عمل پیرا ہوگا تو اللہ اُس کے لیے اُن کاموں میں بہت زیادہ خیر عطاء فرمائے گا جو کام اُس بندے کے لیے ناپسندیدہ ہوئے اور وہ اُن کاموں پر دکھی ہوا،

اِن دو آیات مبارکہ میں اللہ پاک نے انسانی زندگی کے دو اہم، محبوب اور حساس پہلوؤں کے بارے میں کلام فرماتے ہوئے اس عظیم اصول کا ذکر فرمایا ہے، پہلی آیت مبارکہ جہاد کی فرضیت کے بارے میں ہے، جس میں اپنی جان یا مال، یا دونوں ہی خرچ کرنے ہوتے ہیں، کہ جنہیں بچانے کے لیے انسان بہت کچھ کرتا ہے، اور جنہیں خرچ کرنا عموماً انسان کو پسند نہیں ہوتا [[مال کی محبت کے بارے میں ایک مضمون الگ سے شائع کر چکا ہوں، واللہ الحمد]]،

دوسری آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بیویوں سے علیحدگی کے معاملات کے بارے میں ارشادات نازل فرماتے ہوئے اس اصول کا ذکر فرمایا ہے، جبکہ میاں بیوی میں علیحدگی کبھی دونوں کے لیے اور کبھی کسی ایک لیے شدید نفسیاتی اور ذہنی تکلیف کا سبب ہوتا ہے، اور انسانی معاشرے کی بنیادوں میں خلل پیدا کرنا والا ہوتا ہے، یعنی ظاہری طور پر اس کے کافی نقصانات ہیں،

پس اللہ تعالیٰ کے اِن دو فرامین مبارکہ میں انسانی زندگی کے دینی اور دُنیاوی، جسمانی اور نفسیاتی تقریباً سارے ہی پہلوؤں کو شامل فرما لیا گیا ہے اور ہمارے لیے اِن میں بیان کردہ اصول ارشاد فرما کر ہمیں یہ تعلیم فرمائی ہے کہ جب ایسے معاملات میں ہمیں اس اصول پر کار آمد ہونے ہی چاہیے، اور اس اصول پر عمل ہی ہمارے لیے دُنیا اور آخرت کی بھلائی والا ہے تو پھر دیگر معاملات میں تو اس اصول پر کہیں

زیادہ مضبوطی سے عمل پیرا رہنا چاہیے،

آیے کچھ تدبر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان شریف پر بھی کیا جائے کہ ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا
الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ :: يَتَّبِعْ أَهْوَاءَ غَلَبَةٍ أَوْ نَجْوَىٰ﴾
فرمایا ہے ﴿سُورَةُ الْبَلَدِ (90) / آیت 4،

جب انسان کے اکیلے لاشریک خالق و مالک اللہ تعالیٰ نے انسان کے بارے میں یہ بتا
دیا ہے کہ اُس نے انسان کو مشکلوں میں ہی رہنے والا تخلیق فرمایا ہے تو پھر یہ جان
لینا چاہیے کہ انسان پر مشکلیں آتے رہنا اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ایک فطری
عمل ہے، اس کے بعد ایک دفعہ سے پھر آغاز میں ذکر کردہ دونوں آیات مبارکہ
میں بیان کردہ اصول کے بارے میں سوچے کہ اُس اصول پر کاربند رہنے والے
مُسلماں کے لیے شدید ترین پریشانیوں اور مصیبتوں کی حالت میں بھی ذہنی، قلبی
اور روحانی سکون ہی سکون ہے، کہ جب وہ اپنے اکیلے لاشریک خالق اور مالک کے
ان دو فرامین پر اپنے اکیلے لاشریک خالق و مالک کی مُراد کے مطابق سچا ایمان رکھنے
والا ہو گا تو اسے کوئی مُصیبت، کوئی دُکھ، کوئی نقصان پریشان نہ کرے گا، جو کوئی اثر
ہو گا وہ کچھ وقتی سا ہو گا اور پھر فوراً ہی وہ بندہ اپنے رب کی بے عیب حکمت اور عدل و
شفقت کے کمال والی تقدیر اور فیصلوں پر راضی ہو جائے گا،

اگر ہم قرآن کریم میں، صحیح سُنّت مبارکہ میں اور انسانی تاریخ میں مذکور واقعات کا
بغور مطالعہ کریں تو ہمیں اللہ کے بیان کردہ اس اصول کے عین مطابق بہت سے
واقعات نظر آتے ہیں، مثال کے طور پر چند ایک کا ذکر کرتا ہوں :::

..... (1) ::::: موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا واقعہ ::::: کہ جب اللہ تعالیٰ نے

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی کی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو ندی میں بہا دیں تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لیے یہ کام کرنا پسندیدہ نہ تھا اور شدید پریشانی اور دکھ والا تھا، لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی تو اللہ تعالیٰ نے اُس ناپسندیدہ کام میں بہت زیادہ خیر مہیا فرمادی،

..... (2) یوسف علیہ السلام کا واقعہ :..... کہ یوسف علیہ السلام کے

واقعے میں اُن کے بارے میں اور اُن والد یعقوب علیہ السلام کے بارے میں جن مصائب کا ذکر فرمایا گیا ہے، جو کہ اُن کے لیے پسندیدہ نہ تھے، کہ باپ نے رور و کر اپنی بنیائی گنوا دی، اور بیٹے نے بھی بہت سی مشقتیں برداشت کیں، لیکن انہوں نے اپنے رب کی قدر اور قضاء پر صبر کیا اور اُس پر راضی رہے، اور اپنی تکلیف پر صرف اپنے رب کے سامنے ہی گریہ وزاری کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے اُن تمام مصائب میں بہت زیادہ خیر عطاء فرمائی دی،

..... (3) ::: اُس بچے کا واقعہ جسے خضر رحمہ اللہ نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں قتل کر دیا:::

جس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے خضر رحمہ اللہ کے قول کے طور پر یہ فرمایا کہ ﴿وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَحَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝ فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاءً وَ أَقْرَبَ رُحْمًا ۝﴾ پس رہا وہ لڑکا (جسے میں نے قتل کیا) تو اُس کے ماں باپ ایمان والے تھے، (اور) ہمیں اُس لڑکے کے بارے میں اندیشہ تھا کہ وہ بڑا ہو کر انہیں بھی (اللہ کی) نافرمانی اور کفر میں مبتلا نہ کر دے ۝ لہذا ہم نے ارادہ کیا کہ (ہم اُس لڑکے کو قتل کر دیں تاکہ) اللہ اُن دونوں (بچے کے والدین) کے لیے اُس لڑکے (کے) بدل میں اُس سے زیادہ نیک اور رحم کرنے

والا (بچہ) عطاء فرمادے ﴿سُورَةُ الْكَهْفِ (18) آیات 80، 81،

یہاں چند لمحات کے لیے میں اپنے موضوع سے ہٹ کر اپنے اُن مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی توجہ جو کہ اللہ کے کلام پر، اللہ کی مُراد کو مطابق ایمان رکھنے والے ہیں اور اللہ کے کلام کی عملی عزت کرنے والے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد کی نعمت عطاء نہیں کی اور وہ اس بات پر بہت غمگین رہتے ہیں، اُن مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی توجہ سُورَةُ الْكَهْفِ کی ان مذکورہ بالا آیات کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں، کہ ان آیات مُبارکہ پر غور فرمائیے، ان میں تدبر کیجیے اور اس یقین اور ایمان کے ساتھ اپنے دُکھ کو خیر باد کہہ دیجیے کہ اللہ نے جو آپ کو اولاد یا بیٹے عطاء نہیں کیے تو اُس میں ہی آپ کے لیے بہت زیادہ خیر ہے کہ عین ممکن ہے کہ وہ آپ کی خواہش پر آپ کو اولاد یا بیٹے دے تو دے یا دے تو دیتا لیکن وہ اولاد یا بیٹے ایسے ہوتے جو آپ کے لیے دُنیا اور آخرت میں پریشانیوں، رسوائیوں اور آج کے غم سے کہیں زیادہ غم اور درد کا سبب ہوتے،

.....: (4): سُنّت مُبارکہ میں سے ایمان والوں کی والدہ محترمہ اُم سلمہ

رضی اللہ عنہا کا واقعہ: جسے خود اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے یوں بیان فرمایا

کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم سے سنا تھا کہ ﴿مَا مِنْ مُسْلِمٍ

تُصِيبُهُ مُصِيبَةٌ فَيَقُولُ مَا أَمَرَهُ اللَّهُ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اللَّهُمَّ أَجْرُنِي

فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا. إِلَّا أَخْلَفَ اللَّهُ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا::: کوئی مُسلمان

ایسا نہیں کہ جب اُس پر کوئی مُصِيبَت آئے اور وہ وہی کچھ کہے جس کا اللہ نے

اُس حکم دیا ہے کہ، بے شک ہم اللہ کے لیے ہی ہیں اور بے شک ہم نے اللہ کی

طرف ہی واپس پلٹنا ہے، اے اللہ مجھے میری اس مُصِیبت میں بہترین اجر عطاء کیجیے، اور مجھے اُس (چیز) سے زیادہ بھلائی والی (چیز) عطاء فرمائیے (جو چیز مجھ سے لے لی گئی)، تو یقیناً اللہ اُس کو زیادہ بھلائی والی چیز عطاء کرتا ہے ﴿جب میرے پہلے خاوند ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو میں نے سوچا کہ اُن سے بہتر مجھ کو ن مل سکتا ہے، کہ وہ سب سے پہلے اہل خانہ سمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے والے شخص تھے، اور پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے بتائے ہوئے یہ الفاظ ادا کیے تو اللہ نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو میرا خاوند بنا دیا۔ صحیح مُسلم / حدیث 2165 / کتاب الجنائز / باب 2،

اس واقعہ پر غور فرمائیے، محترم قارئین، کہ کس طرح ایک ایمان والا اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی تعلیمات پر سچے یقین کے ساتھ عمل کرتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اُسے وہ عظیم خیر عطاء کرتا ہے کہ جس کا وہ گمان بھی نہیں کر سکتا، ام سلمہ رضی اللہ عنہا، اپنے پہلے خاوند ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے بالکل اُسی فطری پریشانی کا شکار ہوئیں جس کا شکار کسی بھی نیک ایمان والے، بیوی بچوں سے مُحبّت کرنے والے اور اُن کی ذمہ داریاں اچھے طور پر نبھانے والے شخص کی موت پر اُس کی جوان بیوہ ہوتی ہے کہ اب ایسے نیک اور اچھے خاوند کے جیسا خاوند کہاں ملے گا جو میری اور میری اولاد کی ذمہ داریاں اُسی طرح نبھاسکے جس طرح مرنے والا نبھاتا تھا، لیکن جب اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی تعلیمات پر سچے ایمان کے ساتھ عمل کیا، اور اپنے رب کی طرف رجوع کیا

تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں وہ خاوند عطا فرمادیا کہ جس سے بڑھ کر ایمان والا، نیک اور اچھا شخص، اللہ کی ساری مخلوق میں نہ کبھی ہوا، نہ ہوگا، یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم۔

قرآن کریم اور صحیح ثابت شدہ سنت مبارکہ میں ایسے واقعات مزید بھی ہیں، اور انسانی تاریخ میں تو ایسے واقعات کی کثرت ہے، مثلاً، ہم کتنی دفعہ یہ دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں کہ کسی شخص کی کوئی سواری، جہاز، ریل، کار وغیرہ اُس سے جھوٹ جاتی ہے اور وہ اپنے مطلوبہ سفر پر نہیں جاپاتا، جس کا اسے شدید ترین دکھ ہوتا ہے، لیکن کچھ ہی دیر بعد اُسے پتہ چلتا ہے کہ وہ سواری کسی حادثے کا شکار ہو چکی ہے اور اس کے سارے ہی مسافریا تو مر چکے ہیں یا بری حالت میں ہیں،

یہ واقعات اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُن فرامین کے عین مطابق ہیں جو ہم نے آغاز میں پیش کیے کہ ﴿وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ :: اور اُمید ہے کہ تم لوگ کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور (درحقیقت) وہ چیز تم لوگوں کے لیے خیر والی ہو، اور اُمید ہے کہ تم لوگوں کسی چیز کو پسند کرتے ہو اور وہ چیز تم لوگوں کے لیے شرّ والی ہو، اور اللہ (ہی زیادہ اور بہتر) جانتا ہے، اور تم لوگ نہیں جانتے ﴿سُورَةُ الْبَقَرَةِ (2) / آیت 216،

اور ارشاد فرمایا ہے ﴿فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ :: پس اُمید ہے کہ تم لوگ کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اُس میں بہت زیادہ بھلائی دے دے ﴿سُورَةُ النِّسَاءِ (4) / آیت 19،

..... خلاصہء کلام:

ایمان والے سے یہ مطلوب ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنے نیک مقاصد کے حصول کے لیے کوشش کرتا رہے اور اگر نتیجہ اُس کی توقع کے خلاف ہو جائے تو اللہ کی طرف سے بیان کردہ اس اصول پر عمل پیرا ہو جائے، اللہ تعالیٰ اُس کو سکون بھی عطاء فرماتا ہے اور اُس کو اُمیدوں اور خواہشات سے کہیں زیادہ بڑھ کر بھلائی والی چیز عطاء فرماتا ہے۔

کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اپنے رب کی طرف سے اُس کی کتاب قرآن کریم میں نازل کیے گئے اس قاعدے، قانون کو سمجھ لیں، اپنائیں اور دُنیا اور آخرت کے جو فوائد اللہ نے اس میں رکھے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں وہ بھی عطاء فرمائے، والسلام علیکم۔

❁❁ قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،،،، نواں قاعدہ 9 ❁❁

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمَزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْسِهِ
وَالصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَمَنْ
تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ، أَمَا بَعْدُ :::

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ...﴾ اور اپنے
درمیان بھلائی اور فیاضی کرنا مت بھولو ﴿سُورَةُ الْبَقَرَةِ (2) / آیت 237،

اللہ پاک کے بیان فرمودہ سب ہی اصول دین اسلام کی عظمت کے ثبوتوں میں سے
ہیں، اور انہی میں سے، ہمارے اس وقت زیر مطالعہ یہ قانون بھی ہے، جسے ہم

"قرآن میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)" میں نویں قانون کے طور پر پڑھ رہے ہیں،

اللہ جلّ وعزّ نے یہ قانون طلاق کے احکام اور قوانین ارشاد فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُوبَ أَوْ يَعْفُوبَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلَا تَنْسُوا الْفَصْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾:۔۔ اور اگر تم اُن عورتوں کو چھونے سے پہلے طلاق دے دو، اور اُس سے پہلے تم لوگ اُن عورتوں کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو، تو جو کچھ مقرر کیا ہو اُس میں سے آدھا (اُن عورتوں کو) دے دو، سوائے اس کے کہ وہ عورتیں (اپنا حق) معاف کر دیں یا وہ لوگ جن کے ہاتھ میں نکاح کے معاہدے کا اختیار ہے (یعنی مرد اپنا حق) معاف کر دیں، اور اگر تم لوگ معاف کر دو (اور عورتوں کو نصف کی بجائے پورا مہر دے دو) تو ایسا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اپنے درمیان بھلائی اور فیاضی کرنا مت بھولو، یقیناً تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ دیکھتا ہے ﴿سُورَةُ الْبَقَرَةِ (2) / آیت 237،

اس فرمان مبارک میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی کے، انسانی معاشرے کے بہت ہی خوبصورت، مضبوط، اور محترم رشتے کے بارے میں احکام فرماتے ہوئے یہ عظیم قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی وقت اس رشتے کا خاتمہ کرنا مطلوب ہو جائے تو اپنے غصے یا پریشانی میں بھی اس رشتے کی محبت اور اس کا احترام مت بھولو، اور

جنہیں چھوڑ رہے ہوں ان کے ساتھ بھلائی اور فیاضی والا معاملہ کرتے ہوئے انہیں چھوڑ اس میں تم لوگوں کے لیے ہی بھلائی اور فائدہ ہے کیونکہ یہ کام تقویٰ کے قریب ہے،

غور کیجیے، تدبر کیجیے کہ اللہ پاک نے یہ قاعدہ، یہ اصول، یہ قانون، بیان فرمانے سے پہلے عفو درگزر کرنے اور معاف کرنے کی طرف رغبت دی ہے، ﴿وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبَ لِلتَّقْوَىٰ...﴾ اور اگر تم لوگ معاف کردو (اور عورتوں کو نصف کی

بجائے پورا مہر دے دو) تو ایسا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے ﴿جس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ عفو و درگزر مسلمان کے ہر معاملے میں ہونا چاہیے، اس میں مسلمان کے لیے ہی نہیں بلکہ اُس کے ارد گرد دوسرے لوگوں کے لیے بھی خیر ہوتی ہے،

[[عفو و درگزر کے بارے میں کچھ بات "" "" جاہلوں سے کنارہ کشی کیجیے، لوگوں سے درگزر والا معاملہ رکھیے "" "" میں کر چکا ہوں، واللہ الحمد]]

مزید تدبر فرمائیے، تو سمجھ آتا ہے کہ اللہ سُبحانہ و تعالیٰ نے عفو و درگزر کی ترغیب دینے کے بعد، یوں ہی عام انداز میں یہ قانون بیان نہیں فرمایا ہے بلکہ اس سے پہلے یہ تاکید فرمائی ہے کہ اس قانون کو، اس پر عمل کرنے کو بھولنا نہیں ﴿وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ...﴾ اور مت بھولو اپنے درمیان بھلائی اور فیاضی کرنا ﴿

یہاں اس بات کو بھی جانتے چلیے کہ یہاں بھولنے سے مراد عام طور پر کسی چیز کسی بات کو بھول جانے کی کیفیت نہیں، کیونکہ اس کیفیت پر قابو انسان کی قدرت میں نہیں، یعنی کوئی انسان اپنی مرضی اور اختیار کے بغیر کسی بھی وقت کچھ بھی بھول

سکتا ہے، چاہنے کے باوجود بھی ایسا نہیں کر سکتا کہ وہ کچھ بھی نہ بھولے، لہذا اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک میں ""بھول"" سے مراد ""لا پر واہی، اور قابلِ توجہ نہ سمجھنا"" ہے،

(بحوالہ تفسیر الکبیر و مفتاح الغیب، امام محمد بن عمر فخر الدین الرازی رحمہ اللہ)

اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان والوں کو بالخصوص اور سب ہی انسانوں کو بالعموم یہ یاد کروایا ہے کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾: یقیناً تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ دیکھتا ہے، اس یاد دہانی میں اللہ سُبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے آپس میں بھلائی اور فیاضی کی مزید ترغیب بھی ہے کہ یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تم لوگوں کے سب ہی کام دیکھتا ہے لہذا ایسے کام مت کرو جو اللہ کی رضا مندی والے نہیں، کہ انہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ خوش نہیں ہوتا، بلکہ وہ کام کیا کرو جنہیں دیکھ کر اللہ خوش ہوتا ہے اور یقیناً جن کاموں کو کرنے کی اللہ تعالیٰ ترغیب دیتا ہے انہیں ہوتا ہوا دیکھ کر اللہ جلّ جلالہ خوش بھی ہوتا ہے، پس تم لوگ ایسے ہی کام کیا کرو، جنہیں دیکھ کر اللہ خوش ہو اور پھر لامحالہ طور پر اللہ کی خوشی حاصل کرنے کے سبب اللہ کی طرف سے بے پناہ رحمتیں، برکتیں اور دین دُنیا اور آخرت کی خیر بھی حاصل ہوگی، اس آیت مبارکہ میں تدبر ہمیں یہ حقائق بھی سمجھاتا ہے کہ میاں بیوی کی زندگی بہت سے خوبصورت، محبت آمیز، دل پذیر، اور وفاء والے لمحات کی حامل ہوتی ہے، اور ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اگر کبھی کہیں کسی میاں بیوی میں ایسا وقت آن پڑے کہ انہیں نکاح کی گانٹھ کھولے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو بھی انہیں اپنے اُس تعلق کی وفاء اور اُس کا احترام برقرار رکھنا چاہیے، اور ایک دوسرے کو اپنی زندگیوں سے

خارج کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ نیکی، بھلائی، احسان اور فیاضی والا رویہ رکھنا چاہیے،

گوکہ یہ عظیم قانون میاں بیوی کے تعلق کے خاتمے کے بیان میں ذکر ہوا ہے لیکن قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام کے انداز کے مطابق اسے صرف اسی طلاق والے معاملے تک ہی محدود نہیں سمجھا جاسکتا، دیگر بہت سے احکام اور قوانین کے طرح یہ قانون بھی عام ہے،

یعنی، مسلمانوں کو یہ سکھایا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کے معاملات کو ایک دوسرے کے لیے عفو و درگزر نیکی، بھلائی، احسان اور فیاضی کے ساتھ مکمل کیا کریں، خواہ اُن معاملات کا ظاہر کتنا ہی دردناک، کتنا ہی کڑوا سیلا کیوں نہ ہو،

غور فرمائیے کہ اس شاندار قاعدے پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں ہم آخرت کے فوائد سے پہلے ان شاء اللہ دُنیا میں ہی کتنے فائدے حاصل کر سکتے ہیں، کہ اللہ سُبحانہ و تعالیٰ کی مشیت سے عفو و درگزر، خوش اخلاقی، نیکی، بھلائی، احسان اور فیاضی والے معاملات دُور والوں کو قریب کر دینے کا سبب ہو جاتا ہے، دشمنوں کو دوست بنانے کا سبب نہ ہو سکے تو بھی اُن کے شر کو دُور کر دینے کا سبب ہو جاتا ہے، نفرتوں کو اگر محبتوں میں بدلنے کا سبب نہ بن سکے تو بھی نفرتوں کی تپش کم کرنے کا سبب بن جاتا ہے،

اس قاعدے پر عمل کی بہترین مثال ہمیں اُسی ہستی کے کردار میں ملتی ہے جس کا کردار اللہ کی تمام تر مخلوق میں سب سے بلند، برتر، اعلیٰ مکمل ترین اور بے عیب تھا، جس کردار اللہ کی کتاب تھا، جس کا کردار اللہ کی کتاب قرآن حکیم کا عملی نمونہ تھا

یہاں تک کہ ایمان والوں کی والدہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ﴿كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ﴾ :: اُن صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا کردار قرآن تھا ﴿مُسْنَد احمد،

جی ہاں، رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا کردار ہی بنی نوع انسان کے لیے سب سے بہترین مثال ہے، اُن کے کردار مبارک میں ہمیں اس قانون، قاعدے اور اصول پر عمل پیرائی کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، اس وقت ایک ہی مثال بیان کرتا چلوں، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم طائف کے لوگوں کے ظلم و ستم سہتے ہوئے زخموں سے چُور ہوتے ہوئے مکہ المکرمہ واپس پہنچے تو مطعم بن عدی نے اُنہیں مکہ کے مشرکوں سے پناہ دی، اور مطعم کے چاروں بیٹے مسلح ہو کر کعبہ شریفہ کے چاروں کونوں پر کھڑے ہو گئے اور مطعم کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ محمد بن عبد اللہ اُس کی پناہ میں ہیں، قریش کو مطعم کے سامنے خاموش ہونا پڑا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنی شر انگیزی روکنا پڑی،

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم مدینہ المنورہ میں اسلامی ریاست قائم فرما چکے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں دُنیاوی قوت بھی عطاء فرمائی اور پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد بدر میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اور اُن کے ساتھیوں کو مشرکین مکہ پر غالب فرمایا اور مشرکین مکہ اُن کے قیدی بنا دیے اس وقت مطعم بن عدی مرچکا تھا، اور کفر کی حالت میں مرا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اُس کی بھلائی کو یاد رکھا، فضل و کرم، نیکی، بھلائی، احسان اور فیاضی والے اعمال کو یاد رکھا لہذا ارشاد فرمایا ﴿لَوْ كَانَ الْمُطْعَمُ بَنُ عَدِي حَيًّا، ثُمَّ

كَلَّمَنِي فِي هَؤُلَاءِ النَّتْنِي، لَأَكْرِمَهُمْ لَهُ﴾ :: اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا تو میں ان

گندے لوگوں کو اُس کے لیے چھوڑ دیتا ﴿صحیح البخاری/ حدیث 3139 / کتاب
فرض الخمس / باب 16،

اس کا معنی یہ تھا کہ اگر عدی بن مطعم مجھ سے کسی فدیے کے بغیر بھی ان گندے
لوگوں کی رہائی طلب کرتا تو میں کوئی فدیہ لیے بغیر ہی ان گندے لوگوں کو اُس کے
کہنے پر چھوڑ دیتا، یہ فضل و کرم، نیکی، بھلائی، احسان اور فیاضی کی ایک بے نظیر
مثال ہے،

اگر ہم لوگ بھی اپنی زندگی کے معاملات میں اسی طرح بھلائی، احسان اور فیاضی والا
رویہ رکھیں تو معاشرے میں سے کتنی برائیاں ختم ہو سکتی ہیں کہ دل ایک دوسرے
کے لیے محبت اور احترام کی مٹھاس سے بھرنے لگیں گے، ایک دوسرے کے
احسان کے احساس سے گداز رہنے لگیں گے، تو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی
کا شعور برقرار رہے گا، اور اُن ادائیگی کی کوشش جاری رہے گی، اور معاشرے میں
رواداری اور ایک دوجے کے حقوق کی ادائیگی کا وہ ٹھنڈا میٹھا سایہ میسر ہو گا جو
گناہوں اور برائیوں کی تپش کو ختم کرنے والا ہوتا ہے،

ذرا سوچیے کہ اگر سرکاری اداروں میں اور دیگر ایسے مقامات پر جہاں عوام کے
ساتھ روابط اور معاملات ہوتے ہیں، اس قاعدے پر عمل کرنے لگیں تو ہماری
معاشرتی زندگی کتنی پرسکون ہو جائے، لوگوں کے دلوں سے نکلنے والی دعائیں ہماری
آخرت کی خیر کے اسباب میں شامل ہو جائیں، مدرسوں (سکولز، کالجز یونیورسٹیز
وغیرہ) میں اگر ہم لوگ اس قانون پر عمل کرنے لگیں تو یقیناً مانے کہ ہمارا معیار
تعلیم یکسر تبدیل ہو جائے، جی ہاں نصابِ تعلیم میں تبدیلی کے بغیر بھی مدارس

سے فارغ ہونے والے واقعاً صاحب علم ہونے لگیں اور اپنے علم پر عمل کرنے والے ہونے لگیں، غرضیکہ قرآن کریم میں بیان کردہ دیگر قواعد کی طرح یہ قاعدہ بھی بنی نوع انسان کے لیے عمومی طور پر اور ایمان والوں کے خصوصی طور پر خیر ہی خیر والا ہے، بشرطیکہ وہ لوگ نیک نیتی سے اس پر عمل پیرا ہوں،

اللہ ہی ہے جو دلوں کی اصلاح پر قادر ہے اور وہ ہی ہے جو نیتوں کو خالص کرنے کی توفیق عطاء کرنے والا ہے، لیکن ہمیں قلبی لگاؤ کے ساتھ کوشش ضرور کرنا ہے کہ بغیر کوشش اور لگن کے کچھ ملنے والا نہیں،

کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اپنے رب کی طرف سے اُس کی کتاب قرآن کریم میں نازل کیے گئے اس قاعدے، قانون کو سمجھ لیں، اپنالیں اور دُنیا اور آخرت کے جو فوائد اللہ نے اس میں رکھے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں وہ بھی عطاء فرمائے، والسلام علیکم۔

﴿قرآن کریم میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)،،، دسواں قاعدہ 10﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

و الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ مُحَمَّدٍ و عَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
وَأَزْوَاجِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ، أَمَا بَعْدُ :::

أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ
اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿وَلَيْسَ الذَّكْرُ كَالْأُنْثَى :: اور مذکر (مرد)
مَوْنَتْ (عورت) کے جیسا (تو) نہیں﴾ سُورۃ آل عمران (3) / آیت 36،

اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ مذکورہ بالا فرمان ہمارے موضوع "قرآن میں بیان کردہ قواعد (اصول، قوانین)" میں دسویں قانون کے طور پر بیان کیا جا رہا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس مذکورہ بالا فرمان مبارکہ میں بھی ایک بہت عظیم قاعدہ، قانون بیان فرمایا گیا ہے، جو کہ انسان کی دنیاوی زندگی اور اُس سے متعلق معاملات میں انسان کی دو جنسوں یعنی مرد اور عورت کے رہنے اور مقام کے فرق کو واضح طور پر متعین کرنے والا ہے،

اور جو لوگ مرد و عورت کو دنیاوی زندگی کے امور میں ایک ہی جیسا قرار دینے پر تلے رہتے ہیں ان کی غلط فہمی کے بارے میں یہ بھی واضح کرتا ہے کہ یہ غلط فہمی اللہ جلّ و علا کے اس مذکورہ بالا فرمان شریف کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ جو ساری ہی مخلوق کا اکیلا خالق ہے، وہ خود اپنی مخلوق میں سے مرد و عورت کے بارے میں یہ تصدیق فرما رہا ہے کہ ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَى﴾: اور مذکر (مرد) مؤنث (عورت) کے جیسا (تو) نہیں ﴿تو اس کے بعد کوئی کچھ بھی کہتا ہے، مرد و عورت کو دنیاوی معاملات، کام، رتبوں اور احکام میں ایک جیسا نہیں مانا جاسکتا،

آخرت کے معاملات اور رتبوں کا مسئلہ الگ ہے، اُس کے بارے میں ایک مضمون الگ سے نشر کیا جا چکا ہے، "عورتوں کے لیے جنت میں کیا ہوگا؟"، اس مضمون کا مطالعہ اس <http://bit.ly/ZoqMpc> ربط پر کیا جاسکتا ہے:

اللہ جلّ جلالہ نے یہ مذکورہ بالا قانون، قاعدہ اپنی کتاب میں، مریم علیہا السلام کے واقعے میں بیان فرمایا ہے، اور مریم علیہا السلام کی والدہ کی بات کے طور پر ذکر فرمایا ہے، کہ انہوں نے مریم علیہا السلام کی پیدائش سے پہلے یہ منت مانی تھی کہ میرے

پیٹ میں جو پچھ ہے اسے میں وہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے اللہ کی نذر کردوں گی، لیکن جب مریم علیہا السلام پیدا ہوئیں تو اُن کی والدہ نے مَوْنِث کی فطری کمزوری کی بنا پر کمی کے اظہار، افسوس اور معذرت کے طور پر یہ الفاظ کہے ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَى...﴾ اور تذکر (مرد) مَوْنِث (عورت) کے جیسا (تو) نہیں ﴿﴾ کہ اگر پیٹا ہوتا اور وہ اللہ کی نذر کر پاتی تو زیادہ فائدے والا ہوتا،

اللہ سُبحانہ و تعالیٰ نے اُن کی نذر کے طور پر مریم علیہا السلام کو قبول بھی فرمایا، اور مریم علیہا السلام کی والدہ کی اس بات پر انکار بھی نہیں فرمایا، بلکہ تصدیق کے طور اس کا ذکر فرمایا، ایک قاعدے اور قانون کے طور پر اس کا ذکر فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں بہت سے مقامات پر مرد اور عورت کے اس فرق کو بیان فرمایا ہے، جیسا کہ ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ...﴾ اللہ نے کچھ کو، کچھ پر جو افضلیت دی ہے اُس کی بناء پر مرد، عورتوں پر برتر ہیں ﴿﴾، سُورۃ النساء (4) / آیت 34،

اس مذکورہ بالا میں پہلے "کچھ" سے مراد "مرد" ہیں، اور دوسرے "کچھ" سے "عورتیں"،

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ﴿وَاللِّرِّجَالُ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ...﴾ اور مردوں کے لیے عورتوں پر فوقیت ہے ﴿﴾، سُورۃ البقرہ (2) / آیت 228،

مردوں کی تخلیق میں قوت، متانت، بردباری، برداشت، وغیرہ جیسی صفات عورتوں کی نسبت ہمیشہ ہی زیادہ ہوتی ہیں، یہ عام مشاہدے میں آنے والی بات ہے

ایسی باتیں ہیں جس سے کوئی بھی دُرست عقل والا انسان انکار نہیں کر سکتا، اب ان کی عقلوں کو کیا کہیے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان فرامین کی مخالفت کرتے ہوئے مردوں اور عورتوں کو ایک ہی جیسا کر دینے کی کوشش میں رہتے ہیں، اور اُن میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو قرآن کریم کا نام لے کر اپنی خلاف قرآن خرافات کا پرچار کرتے ہیں، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ،

اللہ پاک نے ایک اور مقام پر یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿أَوْ مَن يُنْسَأُ فِي الْحُلِيِّةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ :: اور کیا وہ جو زیورات میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات نہ کر سکے (اُن بیٹیوں کو تم اللہ کے لیے قرار دیتے ہو؟)﴾ سورت الزخرف (43)/ آیت 18،

عورتوں کی فطری اور تخلیقی کمزوریوں میں یہ ہے کہ وہ نرمی، آسائش اور زیب و زینت میں ہی ٹھیک سے پرورش پاتی ہیں اور بات کرنے میں، سختی والے معاملات نمٹانے میں کمزور ہوتی ہیں،

اگر بچپن سے ہی کسی لڑکی کو سختی اور مشقت والے ماحول میں رکھا جائے تو کسی حد تک جسمانی طور پر تو وہ سخت کوش بن سکتی ہے لیکن ذہنی، قلبی اور روحانی طور پر وہ اپنی فطرت کے مطابق کمزور، شرمیلی اور مرد پناہ کی طلب گار ہی ہوتی ہے، یہ بھی ایک ایسا سچ ہے جس کا مشاہدہ صدیوں پر محیط ہے، اور ہر ایک معاشرے میں اس کی مثالیں موجود چلی آرہی ہیں،

پس اللہ جلّ و عزّ کی طرف سے مقرر شدہ قاعدہ، یہ قانون بلا شک و شبہ حق ہے کہ ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَى :: اور مذکر (مرد) مؤنث (عورت) کے جیسا (تو) نہیں﴾،

اور کیوں نہ ہو کہ وہ ہی اکیلا کسی کی شرارت کے بغیر مرد اور عورت کا خالق ہے اور خالق سے بڑھ کر اُس کی مخلوق کے بارے میں کوئی بھی نہیں جان سکتا ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾: کیا وہ جس نے تخلیق فرمایا (اپنی مخلوق کے بارے میں) نہیں جانتا؟ اور وہ (تو) بہت باریک بین اور بہت زیادہ خبر رکھنے والا ہے ﴿سُورَةُ الْمُلْكِ (67) / آیت 14،

پس جو کوئی اللہ، اکیلے خالق کے فرامین کے خلاف کچھ جاننے یا سمجھنے کی بات کرتا ہے، یا سوچ رکھتا ہے، یا گمان رکھتا ہے وہ راہ حق سے منحرف ہے، لہذا اُسے کسی ضد اور تعصب کا شکار ہوئے بغیر اپنے اکیلے لاشریک خالق اور مالک کے فرامین کے مطابق اپنی اصلاح کرنی ہی چاہیے،

ہماری شریعت مطہرہ میں ایسے بہت سے احکام ہیں جو مرد اور عورت کے لیے الگ الگ ہیں اور ان کے فرق کو واضح کرنے والے ہیں، اگر مرد و عورت ہر طرح سے مساوی اور برابر ہوتے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی طرف سے ان احکام میں فرق نہ فرمایا جاتا، لیکن،،،، اللہ ہی جسے چاہے حق دکھاتا اور سمجھاتا ہے اور ماننے اور اپنانے کی توفیق دیتا ہے،

ایسے سارے احکام عورت کی تخلیق کے مطابق اُس میں پائی جانی والی، جسمانی، عقلی نفسیاتی اور جذباتی کمزوریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے لیے نرمی، شفقت اور عزت و عفت کی حفاظت مہیا کرنے والے ہیں،

آگے چلنے سے پہلے، آپ صاحبان ایک اور قاعدے قانون کو اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیجیے کہ ہماری پاکیزہ شریعت میں دو ایک جیسی چیزوں میں فرق نہیں کیا

جاتا، اور دو مختلف چیزوں کو ایک جیسا نہیں کیا جاتا،

پس، یاد رکھیے کہ سچے ایمان والا معاملہ یہ ہوتا ہے وہ اپنی ناقص اور محدود عقل کو شریعت کے احکام کے مقابل نہیں لاتا، بلکہ اُن کا تابع بناتا ہے، پس وہ ایک جیسی چیزوں، اور مختلف چیزوں کو شرعی دلائل کے مطابق سمجھتا اور مانتا ہے اور انہی کے مطابق دو غیر مساوی، مختلف جنسوں یعنی مرد و عورت سے متعلق معاملات کی حدود اور احکام اپناتا ہے، نہ کہ مرد و عورت کی نام نہاد جھوٹی مساوات اور برابری کے دھوکہ باز غل غپاڑے میں جو کچھ بھی سن دیکھ لے اس پر عمل کرتا ہے،

مرد و عورت کی مساوات اور برابری کا شور مچانے والوں کی تمام باتوں کو، تمام دعویٰ کو، اور تمام فلسفوں کو باطل قرار دینے والی آیات شریفہ کا ذکر کیا جا چکا ہے، جن میں سے سب سے اہم اور واضح تو یہ قرآنی قاعدہ ہے جس کا ہم اس وقت مطالعہ کر رہے ہیں، اس کے علاوہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے خلیل محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی زبان شریف سے بھی اس معاملے کو بہت واضح فرمایا، اختصار کے پیش نظر صرف ایک حدیث مبارک ذکر کرتا ہوں جس میں کہ آیت مبارکہ کی طرح ایک قاعدہ، قانون بیان فرمایا گیا ہے،

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ عَلَى آلِهِ وَسَلَّمَ - الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةُ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ :: رسول اللہ، صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم نے مردوں میں سے عورتوں کے جیسے کپڑے پہنے والوں پر، اور عورتوں میں سے مردوں کے جیسے کپڑے پہنے والیوں پر لعنت کی ہے﴾ سنن ابو داؤد/ حدیث 4100/ کتاب اللباس/ باب 30، امام

الالبانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا،

اور عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ عَلَى آلِهِ وَسَلَّمَ - الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ ، وَ الْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ :: رسول اللہ، صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم نے مردوں میں سے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والوں پر، اور عورتوں میں سے مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والیوں پر لعنت کی ہے﴾ صحیح البخاری/ حدیث 5885/ کتاب اللباس/ باب 61،

.....: غور فرمائیے قارئین کرام، پہلی حدیث میں صرف ایک دوسرے جیسے لباس پہننے پر لعنت کی گئی ہے، اور دوسری حدیث شریف میں عام طور پر کسی بھی طرح کی مشابہت کرنے والوں اور والیوں پر،

.....: مزید غور فرمائیے، اور توجہ سے سمجھیے کہ اگر مرد و عورت مساوی اور برابر ہوتے اور ان کی زندگیوں کے معاملات، انداز و اطوار، وغیرہ کا ایک ہی جیسے ہونا مطلوب اور درست ہوتا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی زبان شریف سے وارد ہونے والی یہ لعنت لغوبات بن جاتی، اور معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کے کلام پاک میں کوئی لغوبات ہونے کے امکان کا بھی کوئی شائبہ تک نہیں، کیونکہ اُن صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی زبان مبارک تو اللہ کی وحی کے مطابق کلام فرماتی تھی، جس کی گواہی خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے دی، (سورت النجم کی ابتدائی آیات مبارکہ دیکھیے)، پس یہ ممکن ہی نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی زبان پاک سے کوئی لغوبات ادا ہو،

اگر کسی کو کسی صحیح ثابت شدہ حدیث شریف کی سمجھ نہیں آتی تو یہ اُس کی اپنی نا سمجھی ہے، اگر کسی کو کوئی صحیح ثابت شدہ حدیث مبارک اُس کی عقل، اُس کے مزاج، اور اُس کی سوچوں کی خلاف لگتی ہے تو اُس کی عقل، مزاج، اور سوچ باطل کی طرف ہیں، اگر کوئی کسی صحیح ثابت شدہ حدیث کو کسی مادی علم کی کسوٹی پر پرکھ کر رد کرتا ہے تو یہ اُس کی بد عقلی اور جہالت ہے، اگر کوئی کسی صحیح ثابت شدہ حدیث مبارک کو، قرآن کریم کے اپنے ہی طور پر نکالے گئے معانی اور مفاہیم کے خلاف سمجھتا ہے تو یہ اُس کی جہالت اور گمراہی ہے، کیونکہ ہر صحیح ثابت شدہ حدیث اللہ کے فرمان کے مطابق، اللہ کی طرف سے کی گئی وحی ہے،

پس اسی وحی کے مطابق مرد اور عورت کے فرق کو برقرار رکھنے کا حکم ہوا، اور اس انداز میں کہ جو کوئی اس فرق کو مٹانے کی کوشش کرے گا خواہ وہ ظاہری مشابہت کی صورت میں ہی ہو وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی طرف سے کی گئی لعنت پانے والوں میں سے ہوگا،

اپنے زیر مطالعہ قانون، قاعدے ﴿اور مذکر (مرد) مؤنث (عورت) کے جیسا (تو) نہیں﴾ کی طرف واپس آتے ہوئے کہتا ہوں کہ ہم اللہ جلّ و علا کے فرامین مبارک میں اگر تدبیر کریں تو ہمیں بہت سے ارشادات ایسے ملتے ہیں، جو مرد اور عورت کی مساوات کے دھوکے کے بطلان کو واضح کرتے ہیں، مثلاً:

..... وارثت میں فرق :.....

اللہ سُبحانہ و تعالیٰ نے اپنی مکمل، بے عیب علم اور حکمت کے مطابق مرد اور عورت میں یہ فرق رکھا ہے، اُن کے درجات اور اُن کے مالی، معاشی اور معاشرتی فوائد کے پیش نظر اُن کے درجات اور حصے مقرر فرمائے ہیں،

کوئی بھی دُرست عقل والا اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی سُنّت میں یہ طے ہے کہ مرد رزق کمانے اور معاشی اور معاشرتی ذمہ داریاں نبھانے کی مشقتیں اُٹھائے گا، اور اُس سے ہی وراثت کی ادائیگی کا سوال کیا جائے گا، اور بوقتِ ضرورت کسی قسم کے نقصان کی قیمت، دیت وغیرہ بھی وہی ادا کرے گا، پس مرد ہمیشہ ہی اُسکے مال میں کمی اور خرچ والے معاملات نمٹانے کا ذمہ دار رہا ہے اور رہتا ہے،

جبکہ عورت کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ عورت پر تو کسی معاشی، یا معاشرتی ذمہ داری کی تکمیل کے لیے کمائی کرنا واجب نہیں ہے، اور نہ ہی وراثت کی ادائیگی، اور نہ ہی بوقتِ ضرورت کسی قسم کے نقصان کی قیمت، دیت وغیرہ ادا کرنا اُس پر لازم کیا جاتا ہے، بلکہ اُس کی طرف سے کوئی نہ کوئی مرد ہی یہ کام مکمل کرتا ہے، اور عورت ہمیشہ مال حاصل کرنے والوں میں سے رہتی ہے، کہ بچپن سے مرنے تک اُس کا باپ، یا بھائی، یا خاوند، یا بیٹے اُس کی ساری ضروریات پوری کرنے والے ہوتے ہیں، اُس پر خرچ کرنے والے ہوتے ہیں، پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے وراثت میں اُس کا حق مرد سے مختلف رکھا ہے، مساوات نہیں رکھی، برابری نہیں رکھی

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْوِثْقَةِ لِلْأُنثَىٰ ۚ لِلَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهَاسِهِمْ هَاهُنَا ذُرِّيَّتُهُمْ لِلْأُنثَىٰ ۚ﴾

کو تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ ایک مذکر (لڑکے، مرد وغیرہ)

کے لیے دو مؤنث (لڑکی، عورت وغیرہ) کے برابر حصہ ہے ﴿سُورَت
النِّسَاء (4)/ آیت 11،

..... گواہی میں فرق :..... مرد اور عورت کی مساوات اور برابری کا شور مچانے
والے شاید اللہ سُبحانہ و تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں جانتے، یا جان بوجھ کر اس کی طرف
توجہ نہیں دیتے، اور نہ ہی دوسروں کو اس کی طرف توجہ کرنے دیتے ہیں کہ
﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ
وَأَمْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ
إِلْحِدَاهُمَا الْآخَرَى :: اور اپنے مردوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنایا کرو، اور اگر
دو مرد نہ ہوں تو گواہوں میں سے جن (لوگوں کے گواہ بننے) پر تم لوگ راضی ہو
اُن میں سے ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنایا کرو، اور دو عورتیں اس لیے کہ چونکہ
عورت کمزور ہے لہذا) اگر ایک عورت (گواہی میں سے کچھ) بھول جائے گی تو
دوسری اُسے یاد کروادے گی﴾ سُورَت البقرہ (2)/ آیت 282،

توجہ فرمائیے، قارئین کرام، کس قدر صاف اور واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے عورت اور
مرد کی مساوات اور برابری کو باطل کیا ہے، اور دونوں کے اکیلے خالق نے یہ بھی
بتایا ہے کہ عورت عقل اور ذہانت میں بھی مرد سے کم اور کمزور ہے،

اللہ جلّ جلالہ نے اپنے اس فرمان مبارک کی شرح اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ
و علی آلہ وسلم کی زبان پاک سے بھی کروائی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ
وسلم نے صحابیات رضی اللہ عنہن سے ارشاد فرمایا کہ ﴿يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ

وَأَكْثَرُ الْمُسْتَغْفَرِ فَإِنِّي رَأَيْتُكَ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ :: اے عورتو، صدقہ کیا کرو، اور زیادہ سے زیادہ بخشش مانگا کرو، کیونکہ میں نے دیکھتا ہوں کہ جہنمیوں میں تم عورتوں کی اکثریت ہے، ﴿

تو ایک باوقار، ذہین اور سوچ و رائے رکھنے والی صحابیہ رضی اللہ عنہا نے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم سے عرض کی "" اے اللہ کے رسول، ہمارے لیے ایسا کیا (معاملہ) ہے کہ ہم جہنم کی اکثریت ہوں ""،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ﴿تُكْثِرُ اللَّعْنُ وَتُكْفِرُ الْعَشِيرَ وَمَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلِ وَدِينٍ أَغْلَبَ لِذِي لُبٍّ مِنْكِ :: تم عورتیں لعنت ملامت کرنے میں کثرت کرتی ہو، اور خاوندوں کی نا شکری کرتی ہو، اور جو کچھ میں، عقل اور دین کی کمی اور نقص رکھنے والیوں (تم عورتوں) میں دیکھتا ہوں کہ (اچھے انداز سے، یا برائی یا مکاری سے) اچھی خاصی عقل والے پر غالب آجاتی ہو (اور اسکی عقل مار کر اُس سے نامناسب یا برے کام کرواتی ہو، اس لیے تم جہنم میں کثرت سے ہو گی)﴾،

صحابیہ رضی اللہ عنہا نے پھر عرض کی "" وَمَا نُقْصَاتُ الْعَقْلِ وَالْدِّينِ :: اور عقل اور دین کی کمی اور نقص کیا ہے؟ ""،

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ﴿أَمَّا نُقْصَاتُ الْعَقْلِ فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةَ رَجُلٍ فَهَذَا نُقْصَاتُ الْعَقْلِ وَتَمْكُتُ اللَّيَالِي مَا تُصَلِّي وَتُفْطِرُ فِي رَمَضَانَ فَهَذَا نُقْصَاتُ الدِّينِ :: عقل کی کمی اور نقص

تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوتی ہے، اور عورت (حیض کے عرصہ میں) کئی راتیں رُکی رہتی ہے اور نماز نہیں پڑھتی، اور رمضان میں روزے نہیں رکھتی، تو یہ دین کی کمی اور نقص ہے ﴿، صحیح مسلم/ حدیث 240/ کتاب الایمان/ باب 36، سنن ابو داؤد/ حدیث 4681/ کتاب السنۃ/ باب 16، سنن ابن ماجہ/ حدیث 4138/ کتاب الفتن/ باب 19،

اور صحیح بخاری کی روایت میں مزید واضح الفاظ منقول ہیں کہ صحابیات رضی اللہ عنہن کے سوال "وَمَا نُقْصَاتُ دِينَنَا وَعَقْلَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟" اور ہمارے دین، اور ہماری عقلوں میں کمی اور نقص کیا ہے؟ اے اللہ کے رسول " " کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ﴿اَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نَضْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ؟﴾ کیا عورت کی گواہی مرد کی آدھی گواہی کے برابر نہیں؟ ﴿، صحابیات رضی اللہ عنہن نے عرض کی " " جی، بے شک " "،

تو ارشاد فرمایا ﴿فَذَلِكَ مِنْ نُقْصَابِ عَقْلِهَا، اَلَيْسَ إِذَا حَاصَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟﴾ تو یہ عورت کی عقل کی کمی اور نقص میں سے ہے، اور کیا جب عورت حیض کی حالت میں ہوتی ہے تو نہ ہی نماز پڑھتی ہے اور نہ ہی روزہ رکھتی ہے؟ ﴿، صحابیات رضی اللہ عنہن نے عرض کی " " جی، بے شک " "،

تو ارشاد فرمایا ﴿فَذَلِكَ مِنْ نُقْصَابِ دِينِهَا﴾ تو یہ عورت کے دین میں سے (اُس کی) کمی اور نقص ہے ﴿صحیح بخاری/ حدیث 304/ کتاب الحيض/ باب 6، یاد رکھیے کہ عورت کی گواہی آدھی ہونے کا معاملہ مالی امور سے متعلق ہے جو اس

بات کی دلیل ہے کہ عورت مالی اور معاشی امور نبھانے کی اچھی اور قابل اعتماد صلاحیت نہیں رکھتی، اسے اللہ تعالیٰ نے گھر گھر ہستی، اولاد کی تربیت اور اندرون خانہ معاملات کی خاص صلاحیت دی ہیں جو مرد کو نہیں ملیں، پس دونوں مساوی نہیں ہیں، برابر نہیں، ہر ایک اپنی فطری صلاحیت کے مطابق میدان عمل میں کام کرے گا تو معاشرہ سنورا رہے گا، اور اگر مساوات اور برابری کا غیر فطری اور غیر شرعی ڈھول پیٹ پیٹ کر عورت کو گھر سے نکال کر تجارت اور بازار میں لایا جائے گا تو سوائے فساد کے اور کچھ ہونے والا نہیں، اور یہ بھی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں،

لہذا عورتوں کی عقل اور یادداشت، میں کمی، کمزوری اور نقص کا یہ معاملہ عورتوں کی اکثریت کے لیے ایک ہی جیسا ہے، نہ کہ سب ہی عورتوں کو کم عقل اور کمزور یادداشت والی کہا گیا ہے، لہذا جو لوگ مذکورہ بالا آیت مبارکہ یا احادیث شریفہ کو بنیاد بنا کر سب ہی عورتوں کو کم عقل، اور کمزور یادداشت بنانے کی کوشش کرتے ہیں وہ دُرستی پر نہیں، کیونکہ ہماری شریعت مطہرہ میں مالی امور کے علاوہ دیگر کئی امور میں عورت کی گواہی پوری ایک مرد کی گواہی کے برابر ہی مانی جاتی ہے، جیسا کہ رمضان (یا کسی نئے مہینے) کا چاند دیکھنے کی گواہی، رضاعت (دودھ پلانے) کے بارے میں گواہی، حیض کے معاملات میں گواہی، ولادت (پیدائش) کے معاملات میں گواہی، لعان وغیرہ کے معاملے میں گواہی، وغیرہ،

یہ سب اللہ کی مقرر کردہ شریعت میں ہے اور ہم الحمد للہ اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور کسی کی سوچ، عقل، فکر، فلسفے وغیرہ پر مبنی کسی ایسی بات، یا تحقیق کو نہیں مانتے جو

اللہ کی کتاب قرآن کریم، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے صحیح ثابت شدہ احکام اور فرامین کے خلاف ہو، ایسی ہر سوچ، عقل، فکر، فلسفہ، بات، اور تحقیق وغیرہ بلا شک و شبہ غلط ہے، اور غلط فہمی کی بنا پر ہے، ایسی بہت سے باتیں غلط ثابت ہو چکی ہیں، اور ان شاء اللہ ہوتی رہیں گی،

قارئین کرام، اللہ تعالیٰ کی طرف مرد اور عورت کو دنیاوی زندگی کے معاملات میں مساوات نہ دینے کی ایک اور حکمت بھی سمجھ آتی ہے، جو شاید مرد اور عورت کی مساوات کا شور مچانے والوں کو معلوم نہیں یا وہ جان بوجھ کر انجان بنتے ہیں تاکہ اُن کا شور شرابا سننے والوں کی توجہ اُس کی طرف نہ ہو پائے،

اور وہ حکمت یہ ہے کہ اگر مرد اور عورت کو مساوات دی جاتی اور سب ہی معاملات میں دونوں کے لیے ایک ہی جیسے احکام ہوتے تو بہت سے معاملات عورتوں پر بھی اسی طرح واجب ہوتے جس طرح مردوں پر ہیں، اور عورتیں اپنی فطری نازکی، خوف اور کمزوریوں کی وجہ سے اُن احکام کی تکمیل نہ کر پاتیں، جیسا کہ جہاد، مسجد میں جا کر پانچ وقت باجماعت نماز ادا کرنا، اپنے اہل خانہ کے لیے حلال رزق کما کر لانا، وغیرہ، پس اللہ جلّ جلالہ کا علم، حکمت اور عدل مکمل اور بے عیب ہے جس کے مطابق اُس نے مرد اور عورت کو دنیاوی زندگی میں مساوات عطاء نہیں فرمائی بلکہ اُنکے درجات، معاملات اور انداز و اطوار میں بہت سے فرق رکھے ہیں،

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں براہ راست، اور اپنی وحی کے واسطے سے اپنے خلیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی زبان شریف سے یہ حقیقت واضح فرمادی کہ، مرد اور عورت دنیاوی زندگی کے معاملات میں، جسمانی،

نفسیاتی اور روحانی معاملات میں ایک ہی جیسے نہیں ہیں برابر نہیں ہیں،
 اس کے بعد ہر ایک مسلمان کو، جو کہ اللہ جلّ و علا اور اُس کے رسول کریم محمد صلی اللہ
 علیہ و علی آلہ وسلم پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے، اُسے ""مرد اور عورت کی
 برابری"" کے غچے میں نہیں آنا چاہیے، بلکہ اللہ اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ
 علیہ و علی آلہ وسلم کے فرامین اور احکامات کے خلاف اس عقیدے اور اس عقیدے
 سے متعلق ہر قسم کی کاروائی کا مناسب انداز میں جواب دینا چاہیے اور اپنے ساتھ
 ساتھ اپنے دوسرے بہن بھائیوں کو بھی اس کے شر سے محفوظ رکھنے کی کوشش
 کرتے رہنا چاہیے،

ادیبوں، فلسفیوں، اور خود ساختہ قسم کے اسلامی مفکروں کی طرف سے اس شیطانی
 قول، یعنی ""مرد اور عورت برابر ہیں، لہذا انہیں برابر حقوق اور رتبے دیے
 جانے چاہیں""، کو ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کی منطقیں، فلسفے پیش کیے
 جاتے ہیں، اُن کی بات تو ایک طرف چھوڑیے کہ منطق اور فلسفہ قسم کی چیزیں دین
 میں کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتی ہیں، اور کسی بھی صحیح، صحت مند، اور دُرست راہ پر
 چلنے والی عقل رکھنے والے کے لیے بھی اُن میں کوئی لگاؤ والی بات نہیں ہوتی،

یہ لوگ جو مرد اور عورت کی مساوات کا رونا رہتے ہیں، اور اسے اسلامی تعلیمات کا
 لباس بھی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں یہ سمجھ نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے
 قرآن کریم میں کہیں اس مساوات کا ذکر نہیں فرمایا،

اور نہ ہی اپنے خلیل محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی زبان مبارک سے ایسی کسی
 مساوات کا بیان کروایا ہے،

ذرا سوچیے کہ اگر مرد و عورت کو سارے معاملات میں مساوی رکھنا ہے اور برابری دینا ہے تو پھر ہونا تو یہ چاہیے کہ مرد جو کچھ کام جس قدر مشقت سے کرتے ہیں عورتیں بھی اُسی طرح وہ سب کام کریں،

مرد عورتوں کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے اپنی جان نہ ماریں، عورتیں اپنی ضروریات خود پوری کریں،

مرد و عورت کی برابری کا شور مچانے والوں کو جب عورت سے بھی مشقت آمیز کام کروانے کی بات کی جاتی ہے تو عورت کی مساوات اور برابری کے ٹھیکہ داروں کو عورت کی کمزوری اور ناز کی یاد آ جاتی ہے، اور مساوات اور برابری کے معیار تبدیل ہو جاتے ہیں کہ عورت وزن نہیں اٹھا سکتی، ہیوی مشینری آپریٹ نہیں کر سکتی، فوج میں شامل تو کی جاسکتی ہے لیکن جنگ لڑنے میں کام نہیں دے سکتی کیونکہ وہ کمزور اور نازک ہوتی ہے، لیکن مرد فوجیوں کے ساتھ دیگر عام اور خاص کام کرنے کے کام لائی جاسکتی ہے، اُن کے ذہنی اور جسمانی سکون کی فراہمی کے لیے استعمال کی جاسکتی ہے،،،،

حقیقت تو یہ ہے کہ مرد اور عورت کی برابری کا غلّ غپاڑہ کرنے والوں کو عورت کو نمائش کی چیز بنانے کے لیے، اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لیے اُس کے گھر اور اُس کی عزت اور عفت کی چادر اور چار دیواری سے باہر آزادی دینے کے لیے عورت کی مساوات اور برابری یاد رہتی ہے،

مرد اور عورت کی مساوات اور برابری، عورت کی آزادی اور عورت کے مظلوم ہونے کا داویلا کرنے والے جو مرد وزن ہمارے ہاں پائے جاتے ہیں، اُن لوگوں کی

ایک طرف سوچ و فکر یا بد عقلی کا اندازہ یہاں سے لگا لیجیے کہ وہ اس طرف توجہ ہی نہیں دیتے، یا انہیں یہ سمجھنے نہیں دیا جاتا، کہ جہاں سے اس غیر فطری، اور ابلیسی مساوات اور برابری کا شور و غوغا شروع ہوا، اور اس پر عمل ہوا، اور ہو رہا ہے، وہاں کے معتبر ذرائع کی کچھ خبریں اور اعداد و شمار کیا بتاتے ہیں؟؟؟

یا ہم مسلمانوں میں مرد و عورت کی مساوات اور برابری کی دعوت پھیلانے والے اور اس مساوات اور برابری کے عملی مطالبے کے طور پر مسلم عورت کو اس کے گھر، عزت اور عفت کی چادر اور چار دیواری سے باہر لانے والے جان بوجھ کر اپنے روحانی اور عقلی آقاؤں کے ہاں سے برآمد ہونے والے ان اعداد و شمار، اور وہاں سے اٹھنے والی، عقل اور فطرت کے مطابق باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے، اور نہ ہی اپنے شکار کو کرنے دیتے ہیں،

جبکہ ہم ان لوگوں میں سے کچھ درست عقل والوں کی باتیں پڑھتے اور سنتے ہیں تو مرد اور عورت کی اس مساوات کے حق میں نہیں، بلکہ عورت اور مرد کو ان کی فطرت کے مطابق زندگی کے کام کرنے کے حق میں ہیں،

لیکن ہماری صفوں موجود، مرد اور عورت کی اندھی مساوات کے حامی ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے، ہمارے درمیان پائے جانے والے مغرب زدہ عقلمندوں سے بڑھ کر زیادہ نقصان دہ وہ لوگ ہیں جو اسلامی مفکر اور بسا اوقات عالم دین کی حیثیت سے ظاہر ہوتے ہیں، اور اپنی خلاف قرآن اور خلاف سنت عقلوں اور سوچوں کو اللہ کے دین کا غلاف چڑھانے کی کوشش میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرامین شریفہ کو استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں،

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ""اللہ تبارک و تعالیٰ کے وہ فرامین جو مرد اور عورت کی مساوات کا انکار رکھتے ہیں، اُس وقت تھے جب عورت کے پاس تعلیم نہیں تھی، اور وہ معاشرے میں مردوں کی طرح کام کرنے کے قابل نہ تھی، وغیرہ وغیرہ""، جبکہ اُن کا یہ کچھ کہنا معاذ اللہ، اللہ سُبحانہ و تعالیٰ کی ذات شریف پر الزام ہے کہ گویا معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کو علم نہ تھا کہ اُس نے عورت کو کیا بنایا ہے؟ اور آنے والے وقت میں وہ کیا کچھ سیکھ جائے گی؟ پس اللہ تعالیٰ کا فرمان آج کی تعلیم یافتہ عورت پر لاگو نہیں ہوتا، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ،

حواء علیہا السلام سے لے کر آج تک کی عورت کی تخلیق ایک ہی جیسی ہے، اُس کا جسمانی، نفسیاتی، اور باطنی مزاج اور نظام ویسا ہی ہے، تعلیم یافتہ ہو جانے سے اُس کے جسمانی، ذہنی، نفسیاتی اور باطنی مزاج اور نظام میں ایسا کوئی فرق واقع نہیں ہوا جو اسے مرد کی جیسی بنا دے،

اگر ایسا ہی ہوتا تو صحابیات رضی اللہ عنہن اور بالخصوص اُمت کی سب سے بڑی فقیہ، ایمان والوں کی امی جان عائشہ رضی اللہ عنہا، تعلیم و فقاہت کی بنا پر مردوں کی برابر کی کاد عوی کرتیں، اور گھر، چادر اور چار دیواری کی عفت والی زندگی چھوڑ کر مردوں کے ساتھ بازاروں میں نکلنے کا آوازہ لگاتیں،

آج تک اس حقیقت سے انکار کی کوئی علمی دلیل میسر نہیں کہ عورت کے تعلیم یافتہ ہو جانے سے وہ مرد کے جیسی صلاحیت پالیتی ہے، ایک دفعہ پھر کہتا چلوں کہ اکا دکا مثالیں تاریخ میں ہمیشہ سے ملتی چلی آرہی ہیں، اُن مثالوں کی وجہ سے ساری ہی جنس کو ان جیسا سمجھا جانا سوائے حماقت کے اور کچھ نہیں،

پس ہمیں ایمان کے تقاضے پورے کرتے ہوئے، کسی شک و شبہ کے بغیر، کسی دھوکہ دہی، کسی منطق، کسی فلسفے، کسی عقلی تاویل کا شکار ہوئے بغیر، اپنے رب اللہ جلّ و علا کے اس فرمان پر مکمل یقین رکھنا چاہیے کہ ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ﴾
...: اور مذکر (مرد) مؤنث (عورت) کے جیسا (تو) نہیں! ﴿﴾

کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اپنے رب کی طرف سے اُس کی کتاب قرآن کریم میں نازل کیے گئے اس قاعدے، قانون کو سمجھ لیں، اپنائیں اور دُنیا اور آخرت کے جو فوائد اللہ نے اس میں رکھے ہیں ہم اللہ تبارک و تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اُس کی اور اُس کے خلیل محمد صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کی اطاعت کرتے ہوئے اُن فوائد کو حاصل کرنے کی لگاتار کوشش کرتے رہیں، والسلام علیکم۔

الحمد للہ یہاں تک دس قواعد، دس قوانین کا بیان مکمل ہوا، اگلے حصے میں ان شاء اللہ مزید دس قواعد بیان کیے جائیں گے، آخر میں ایک دفعہ پھر یاد کروانا چلوں کہ "" یہ مضامین محترم شیخ، ڈاکٹر عمر المقبل حفظہ اللہ کے دُرُوس سے ماخوذ ہیں، نہ کہ اُن کے دُرُوس کے تراجم، بلکہ ان مضامین میں کم و بیش ساٹھ ستر فیصد مواد میری طرف سے اضافہ ہے، اس لیے ان مضامین کو حرف بحرف محترم شیخ صاحب حفظہ اللہ سے منسوب نہ سمجھا جائے۔ اور مضامین کا تسلسل بھی میں نے محترم شیخ صاحب کے دُرُوس کے تسلسل کے مطابق نہیں رکھا، بلکہ مصحف شریف میں آیات کے تسلسل کے مطابق رکھا ہے ""،
 والسلام علیکم۔ طِبَّكَاءُ دُعَاء، عَادِل سُهَيْل ظَفَر۔

تاریخ کتابت: 15/09/1434 ہجری، بَطْبَاق، 23/07/2013 عیسوی۔

تاریخ تجدید و تحدیث: 17/12/1435 ہجری، بَطْبَاق، 23/10/2014 عیسوی۔